محاسن الاخلاق

حصہ دوم

جاہل واعظ

بجائے بزرگاں نباید نشست ‏ ‏ دلا تا بزرگی نیاری بدست

آج کل کا زمانہ چاروں طرف خوب چھان بین دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ہر علم کی تدقیق
اور ہر چیز کی تحقیق کے درپے ہے۔ خاص کر عیبوں اور نقصوں کو چن چن کر نکالتا ہے
اور قدیمی علمیت کو خواہ وہ کیسا ہی عمدہ کیا سوچ کر آئے جاہلیت کی برابر سمجھتا ہے۔
پس ایسے زمانہ میں اگر کوئی جاہل وعظ کے منبر پر بیٹھ کر اپنی جہالت کا اظہار کرے تو
نہایت نفرت اور حقارت کے قابل ہے۔ آنکھوں کا اندھا تو کسی اندھے کی رہبری نہیں
کر سکتا مال اور دولت پھر انہیں دے سکتا پھر یہ عقل کا اندھا کیا جاہلوں کی رہنمائی
جہالت سے کریگا۔ جہالت سے زیادہ انسان کو ذلیل کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ لیکن اگر
کسی شخص میں وہ بسبب خلقی نقص و ناقابلیت کے ہو تو وہ حقارت کے قابل نہیں بلکہ
رحم کے قابل ہے کیونکہ اس میں آدمی مجبور اور بے قصور ہے۔ اگر کوئی اندھا پنکھا ہلانے
بیٹھ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر وہ کشتی کھینے بیٹھے تو لوگ اس کے مانع ہونگے

لذائذ سے محروم [illegible] تی ہیں اور ہمیشہ بیہودہ تلاش میں رہنا سکھاتی ہیں - دنیا کو ایک بدنما
بناتی ہیں - بہتیرے زیادہ مذہب کو دل میں آنے سے وہ روکتی ہیں اور اُس کے برخلاف
تعصب پیدا کرتی ہیں اُن کے سبب آدمی کی عقل اور طبیعت دونو مذہب سے متنفر ہوتے ہیں
خدا نے انسان کی فطرت اِس طرح بنائی ہے کہ کوئی قوت اور خواہش اسکو ایسی نہیں دی
کہ جس کے استعمال اور پورا کرنے کا قدرتی سامان اُس کے واسطے مہیا نہ کر دیا - بھلا یہ کب
ممکن ہے کہ مذہب اِس فطرت کی ضد بنایا جائے اور اُس کا مخالف اور متضاد ہو - بھلا اس سے
زیادہ کیا ظلم دنیا میں ہو سکتا ہے کہ دنیا کی ساری نعمتیں انسان کے روبرو رکھی جائیں اور
پھر وہ ترسایا جائے اور اُن میں کسی سے متمتع ہونے کا حکم نہ دیا جائے - شدت سے بھوکا
پیاسا ہو اور طرح طرح کی کھانے کی چیزیں رکھی جائیں مگر سب پر مُہر لگا دی جائے اور اس سے
کہا جائے کہ یہ سب تجھے حرام ہیں ہرگز ہرگز اسکو چھونا اور چکھنا نہیں - اُس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی
اپنا ہی خون جگر پیا کرے - اور اپنے تئیں شکار کرکے کھایا کرے - غرض یہ باتیں سب انسان کی
مقتضاء فطرت و خلقت کے خلاف ہیں اسلئے خدا کی حکمت اور کرم و فضل کے برخلاف ہیں
پس جو شخص مذہب کو رواج اور رونق دینا چاہے اُسکا اول فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو
یہ سمجھائے کہ مذہب کسی عقلی خوشی میں خلل انداز نہیں - وہ ہرگز ہرگز اُس کو منع نہیں کرتا -
کہ جو تمہاری عقل کے نزدیک خوشی ہو اُس کو ترک کر دو - قاعدہ ہے کہ جب آدمی کا مزاج
علیل ہوتا ہے یا کسی اور تکلیف میں ہو تو اُس کو ایسی خوشی کے حاصل کرنے سے منع کیا جاتا ہے
جو اُسکو اور زیادہ رنج پہونچائے - مذہب بھی ایسی خوشی کے حاصل کرنے کو منع کرتا ہے - کہ
ایک چھوٹی بُرائی کی برداشت بڑی بُرائی کی گزند رسانی کو روک دے - مذہب ہماری کسی
خوشی کو محاصرہ کرتا ہے نہ اُسپر حملہ کرتا ہے - ہاں وہ بعض اوقات خوشیوں کے بدلنے کا
حکم دیتا ہے یہ قسم نہیں دلاتا ہے کہ تم اِن کو چھوڑ دو - خلاصہ یہ کہ ایسا مذہب جو انسان کی
خوشی کا دشمن ہو خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا - خدا ظالم نہیں ہے کہ وہ رنج دار و مریز [illegible]

کیونکہ ان کو دنیا کی کوئی چیز ایسی حاصل نہیں جسکے لئے وہ زیادہ جینے کی آرزو کریں دوم
دنیا کی حالت ایسی ہے کہ اس میں آدمیوں کے اندر جلد قائم مقام ہونے کی ضرورت ہے۔ دنیا خوب
آباد ہے۔ وہ اپنے باشندوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔ مگر ان میں ایسے بہت تھوڑے ہیں جن کو
اس کا بڑا حصہ ہاتھ لگا ہو۔ اب فرض کرو کہ سو دو سو برس پہلے جتنے ہمارے باپ دادا
تھے وہ سب زندہ ہوں اور وہ اپنی تمام جائداد پر قابض ہوں اور اپنی قدیمی عزت و امارت
رکھتے ہوں۔ تو اس صورت میں جو نسل اُن کی حال میں ہے اُس کی کیا حالت ہوگی۔
کیا اُن کو وہ امارت و ثروت جو وراثت یا بلی سے ہوتی ہے حاصل ہوگی۔ ہرگز نہیں۔
مگر پانچ چار سو برس اس طرح گذریں تو دنیا میں آدمیوں کی آبادی سمائی بھی نہیں اور ایسے
اگر مفلس محتاج ایک آدمی ہوتا ہے تو پھر پانچ سو سے کم نہ ہوں اگر دنیا سب میں برابر تقسیم کی
اور سارے آدمیوں کی ایک سی حالت ہوتی تو پھر ایسی صورت میں خوشحال و رفاغ البال
آدمی جو درازی عمر کا شوق نہایت رکھتے ہیں ہرگز وہ یہ تمنا نہ کرتے۔ نوجوان کفایت شعاری وارث
جب یہ جانتے کہ تین چار سو برس بعد کہیں ورثہ ترکہ ہاتھ لگے گا تو وہ کفایت شعاری کو
سلام کرتے اور روپیہ کو بالکل تباہ کر دیتے۔ اب ان کی کفایت شعاری اس خیال سے ہوتی
کہ ہمارے باپ عنقریب قبر میں جائینگے اور سب کچھ ہمارے لئے چھوڑ جائینگے۔ ورنہ اگر وہ
یہ جانیں کہ ہم کو ریاست اور ثروت حاصل ہونے میں برسوں کا عرصہ ہے تو وہ ساری جائداد
کو فضول خرچی میں اڑانا شروع کر دینگے اور وہ تباہ ہو جائینگے۔ اور ماباپوں کو تباہ کر دینگے
پھر وہ ایسی زندگی نہیں چاہینگے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو انتظام عالم کیا ہے اُسکی
شکایت اس سبب نہیں کرینگے کہ ہمارے ماباپوں کی عمریں چھوٹی ہوتی ہیں۔ عمروں کے
چھوٹے ہونے پر تو بعض ذہین آدمی الحاد سے خالی نہیں ہوتے اگر عمریں زیادہ ہوتیں تو
معلوم نہیں کہ الحاد کا کیا زور ہوتا۔ سوم دنیا بڑی خراب ہے **اکثر ہیں نیک اطوار آدمیوں کو**
ساٹھ ستر برس نیکی کے ساتھ کاٹنے میں مشکل ہوتے ہیں اگر عمریں پانچ چھ سات آٹھ سو

برس ہوتیں تو معلوم نہیں کیسی خرابی مچتی۔ یہ جو عمریں چالیس پچاس برس کی ہوتی ہیں
ان میں تو بیس برس کے عرصہ میں آدمی اپنی برے کاموں اور شرارتوں کا ایک انبار اکٹھا
کرلیتا ہے اگر زیادہ عمر ہوتی تو معلوم نہیں گناہوں کے کیا پشتارہ کے پشتارے پیدا
ہوتے۔ طوفان سے پہلے جو عمریں آدمی کی سیکڑوں برس کی ہوتی تہیں اُن میں انسان
نے بدکاری اور زشت افعالی پہلے درجہ کی یہاں تک اختیار کی کہ خدا تعالی نے خفا ہوکر
سب کو سوا حضرت نوح کے خاندان کے طوفان سے نیست و نابود کردیا۔ اور اُس نے
نوح سے وعدہ کیا کہ پھر میں دنیا کو طوفان سے نابود نہیں کرونگا۔ اس لئے اُسنے آدمی
کی عمریں بہت کم کردیں کہ نہ زیادہ عمریں ہونگی نہ گناہوں کا طوفان برپا ہوگا جسکے
سبب مجھے پھر طوفان سے اُن کو غرق کرنا پڑے گا۔ غرض عمروں کے گھٹنے بڑھنے سے
انسان کے گناہ کم و بیش ہوتے ہیں۔ انسان کے واسطے دنیا کا انتظام اس سے بہتر
نہیں ہوسکتا آدمی کی عمر تھوڑی ہے۔

طمع

طمع ایک ڈراونا دیو ہے جسکے سو ہاتھ ہیں وہ سب ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہا ہے لے رہا ہے
اکٹھی کر رہا ہے مگر ایک ہاتھ سے بھی کچھ دیتا نہیں طمع ایک ایسی عجیب چیز ہے کہ ساری دنیا
میں کوئی شے اُسکے مشابہ سوا قبر اور موت کے ہو نہیں سکتی یہی دو چیزیں ایسی ہیں کہ دنیا کو
لوٹتی ہیں اور جس کو لوٹتی ہیں اُسکو پھر کچھ نہیں دیتی ہیں۔ ورنہ دنیا کا بیوپار یہ ہے کہ
جو قرض لیتا ہے وہ دیتا بھی ہے ساری دنیا میں لین دین برابر ہی رہتے ہونگے طمع بھی
ایک قبر ہے کہ جس میں طامع کی تمام خواہشہائے نفسانی دفن ہوتی ہیں۔ مگر یہ قبر برخلاف
اور قبروں کے لبریز ہونے سے اور زیادہ فراخ ہوتی ہے اور جتنی مدت اُسپر گذرتی ہے
اُس کی کہنگی کو تازگی ہوتی ہے طمع کے لئے یہ ایک بڑا عذر بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کے
سبب سے دولت اِس لئے جمع کی جاتی ہے کہ وہ ضرورتیں رفع کرے۔ مگر جب وہ لست جمع ہوجاتی ہے

عقل و فہم کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہوں خواہ ہنرمندی کیسی ہی اول درجہ کی لیاقتیں ہوں علما
کتنا ہی بڑا خزانہ قبضہ میں ہو مگر یہ سب طمع کے مقابل میں ہیچ ہیں۔
(۳) افلاطون کا قول ہے کہ طامع یہ نہیں سمجھتا کہ طمع سے باز رہنے سے میری جائداد کی
ترقی ہوگی سقراط کا قول ہے کہ طامع لالچی آدمی کی دولت کا حال آفتاب کا سا ہے کہ غروب
ہو کر کسی کو خوش نہیں کرتا۔ سنیکا کا قول ہے کہ تم مطالعہ علم اسلئے کرو کہ دل و دماغ کو عمدہ
خیالات سے معمور کرو نہ اس طمع سے کہ تھیلیوں کو روپیوں سے بھر دو سونا چاندی سب خاک آلودہ تھے
طمع نے یا عالی ہمتی نے ان کو پاک صاف کیا ہے سونے کی طمع ملعون اور مضر ہے۔ انسان
کب چاہتے ہیں کہ طمع کرکے بے ایمانی سے دولت کو پائیں۔ طامع دولت کو اپنی اولاد
سمجھتا ہے۔ اسی کو قانون اور عدالت جانتا ہے۔ طمع کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا ہمیشہ
بھوکی رہتی ہے۔ طامع کا مقدور خواہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے وہ روپیہ پیسے کی قدر کو
کم نہیں کرتا۔ جو اوس کی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی کی حالت میں روپیہ کی قدر تھی وہی
ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی میں۔
(۴) حریص طامع ہمیشہ مفلس اپنی بے وقوفی کے سبب رہتا ہے مفلس کو بہت چیزوں
کی احتیاج ہوتی ہے۔ طامع کو کل چیزوں کی۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ مفلس کو تھوڑی چیزوں کی
ضرورت ہے اور آسودہ حال کو بہت چیزوں کی۔ اور طامع کو کل چیزوں کی طمع کی
شہوت نے کل انسانوں کو ایسا گھیر رکھا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دولت کا قبضہ انسان
پر ہے نہ یہ کہ انسان کا قبضہ دولت پر ہے۔ طمع اکثر ان آدمیوں کو ہوتی ہے جن میں نیکیاں
قابل تعریف نہیں ہوتیں۔ طمع ایسی گھاس ہے جو بنجر زمین میں اگتی ہے۔

اندوہ و غم و الم

انسان کو غم روحانی اور الم جسمانی طرح طرح کے ہوتے ہیں جن سے کہ اس کا دل بیکل ہو جاتا
ہے مگر سب سے زیادہ ہماری رنج و قلق عزیزوں کے مرنے کا ہوتا ہے جس کو ہم ماتم کہتے۔

اصل اُسی کا بیان کرتے ہیں۔ بالاتفاق یہ مذہب کا مسلّم مسئلہ ہے کہ خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے
کہ میرے بندے میری بندگی کریں۔ میری مرضی سے راضی رہیں خدا کو اس سے زیادہ
کسی طرح آدمی نہیں خوش کر سکتا کہ وہ تسلیم و رضا و توکل اختیار کرے جو کچھ خدا دے یا لے
اُس سے خوش رہے۔ اسی پر خدا کی بڑی عظمت اور انسان کی نہایت راحت ہے۔ خدا
انسان کا خالق ہے۔ اُس کا کیا جھگڑا کر سکتا ہے۔ وہ ماباپوں سے زیادہ شفقت کرتا ہے
اُس پر کیا بدگمان ہو سکتا ہے۔ آدمی کو دل سے یقین کرنا چاہیے کہ جو کچھ خدا ہمارے
لئے کرتا ہے وہ اچھا ہی کرتا ہے اور جو کچھ ہم پر گذرتی ہے اگر ہم اُس کو بُرا جانیں تو سوائے
رنج کے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ خدا کی مرضی کے خلاف مقابلہ کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا
اب اگر ایک آسودہ حال نیک اقبال نوجوان عورت کا بچہ مرجائے تو اُس کو خدا سے
نعم البدل ملنے کی امید رکھنی چاہیے۔ رنج و غم میں بالکل محو ہو کر یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ
میری برابر کوئی کم بخت و بدنصیب نہیں دنیا میں کوئی خوشحال ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُس کو
رنج نہ ہو خوشحال اور بدحال ہونا ایک امر اضافی ہے کسی کو خوشحال اس سبب سے کہتے
ہیں کہ اُس کے حال میں خوبیاں بُرائیوں سے زیادہ ہیں ایسے ہی بدحال اس وجہ سے کہتے
ہیں کہ اُس کے حال میں بُرائیاں خوبیوں سے زیادہ ہیں محض خوشحال و محض بدحال
کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ سمجھے کہ میرے رونے سے کیا ہوگا۔ کیا میرے آنسوؤں کا پانی
اس میرے نونہال کو جس کی جڑ کٹ گئی ہے پھر اُگا دیگا۔ کیا میرے سرد آہوں کا بھرنا میرے
اس نبیرہ بچے میں سانس چلا دیگا۔ قانونِ قدرت جو ہمیشہ سے یہ چلا آتا ہے کہ قضا
ہمارے عزیزوں اور بچوں کو لے لیتی ہے اور پھر اُن میں سے کسی کو واپس نہیں کرتی
تمام امیدوں کو منقطع کرتا ہے۔ رنج و الم جتنا زیادہ کرو اُتنا ہی بے فائدہ ہوتا ہے۔ بے فائدہ
کام کرنے سے کیا فائدہ ہے یہ بے فائدہ رونا دھونا چاک گریبان ہونا ہوا میں یونہیں خالی
تیر مارنے ہیں جو نشانہ پر نہیں لگتے۔ ہم کو رنج و غم میں صبر کر کے خوش ہونا چاہیے۔ زیادہ

رونا مذہب کے اعتبار سے کفر ہے اور مہذب قوموں کے لحاظ سے ناشائستہ حرکت ہے
(۲) حکمت و فلسفہ بڑی شد و مد کے ساتھ انسان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے دل کو سخت
پتھر بنائے جس پر رنج و اندوہ کی جوک نہ لگ سکے مگر انسان ایسا وحشی نہیں ہے کہ اس
حکم پر چل سکے جب آدمی حالت یہ کوشش کریگا کہ میرا دل ایسا سخت ہو جائے کہ
اسمیں غم نہ اثر کرے تو اس کے ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ خوشی کا اثر بھی دل پر نہ ہوگا
پس جب دل پر خوشی و رنج کے اثر باقی نہ رہے تو اس کی زندگانی کی ترتیب و تنظیم درہم
برہم ہوگئی۔ اسکے اخلاق کی ساری بہار تو نور سرور اور تاریکی غم کے آنے جانے میں ہے
جب وہ نہ تاریکی سے روشنی میں آسکا اور نہ روشنی سے تاریکی میں جا سکا تو لطف
زندگی کیا پائے گا۔ مگر مذہب ان کے خلاف حکم کرتا ہے کہ سنگدل نہ ہو صابر و متحمل
ہو۔ یہ انسان کی فطرت کے خلاف میں حکم نہیں دیتا کہ شادی و غم دونوں سے محروم ہو
(۳) غم کے اثر بھی مختلف آدمیوں پر مختلف ہوتے ہیں غریب آدمیوں کے رنج جلد رخصت ہوجاتے
ہیں مگر بادشاہوں کے اندوہ نہیں جاتے۔ بیچارہ ہرن جب زخمی ہوتا ہے تو وہ ایسی
گھاسوں میں جا کر لوٹتا ہے کہ اس کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں۔ مگر جنگل کا بادشاہ شیر جب
زخمی ہوتا ہے تو غصے ہو ہو کر پنجے سے اپنے زخم کو نوچتا ہے۔ اور اسکے شرم آتا ہے کہ
خاک جیسی ذلیل چیز میرے خون کو پئے۔ اسلئے وہ ہوا میں اڑ کر چڑھ جاتا ہے
(۴) غم انسان کا بڑا دشمن ہے اس کو دل میں بسنے نہ دو جلدی نکالو کر اور عمدہ خیالات
اسکی جگہ رکھیں جتنی چیزیں کہ ترقی پا کر مضر ہوتی ہیں۔ انکی ابتدائی پیدائش میں فساد
ہوتا ہے جب دل کے جذبات اعتدال کی حد سے پرے قدم نکالتے ہیں تو وہ بہت برے
نتیجے پیدا کرتے ہیں انکی ابتدا ہی میں شرارت سمجھی چاہیے جب وہ بہت سے جمع ہو کر ان
شرارتوں سے آدمی کے قلب پر حملہ کرتے ہیں تو عقل کی سلطنت کو پامال کر دیتے ہیں
اور انسان کے بیڑے کو ایسے سمندر میں ڈال دیتے ہیں کہ جہاں انکو کہیں ٹھہرنے کی جگہ

نہیں ہیں جتنی ضعیف القلب قوم آج ایسے مغلوب ہوجاتے ہیں کہ کہیں آنکھ اٹھانا بھی بُرا نہیں لگتا۔
(۵) اندوہ والم دل پر ایک بوجھ ہوتا ہے جو دوسرے کی ہمدردی کے سہارے سے ہلکا ہوجاتا ہے آدمی غیروں کے غم پر صبر کرتا ہے مگر اپنے غم پر نہیں غم جو انسان کے لئے ہوتا ہے وہ نبض کی ہر حرکت پر کم ہوتا جاتا ہے۔ اور ایک حرکت نبض کی ایسی ہوتی ہے کہ جس پر اسکا خاتمہ ہوجائیگا جتنا جلد اس کو آزاد و اتنی ہی تمہاری دانائی ہے۔ اس کے بعد خوشی لَمبیہ آئے گی۔ جو رنج والم آدمی کے چہرہ پر ہوتا ہے وہ دلی بخوں کا سایہ ہوتا ہے۔ اصل رنج وہی ہوتا ہے جو دل کو جلائے نہ وہ جو آنسووں سے گالوں کو ٹھنڈا کرے۔

عادت و مشق

انسان کی خلقت میں ایسی قواء اور قابلیتیں خداوند تعالیٰ نے رکھی ہیں کہ ان کا کام میں لانا انسان کو تکمیل کی طرف لے جاتا ہے۔ اور وہ کام بآسانی کرادیتا ہے جنکا کرنا پہلے خیال میں بھی نہیں آتا تھا۔ ایک متوسط العمر گنوار جسکا بدن سب طرح سے سڈول ہو اور جوڑ بند خوب مضبوط ہوں۔ اور جسکی جسمانی خوبصورتی بالکل اشرافانہ ہو اُس کو نہایت دشوار ہو کہ وہ اشراف بھلے مانس کی زبان بولے اور اُس کی وضع وطرز کو برتے۔ ایک ناچنے والے کے پاؤں اور باجا بجانے والے کی انگلیاں بے اختیار حرکات ساعد دل بغیر سوچے تعریف کے قابل کرتی ہیں۔ ابھی ان دونو سے کہے کہ وہ آپس میں اپنی لیاقتیں بدل لیں اور ایک دوسرے کا کام کریں تو ان سے ہرگز نہ ہوگا۔ بہت سی کوششیں اور تکلیفیں اُن کی رائگاں جائیں گی اور مدتیں چاہئیں کہ وہ ایک دوسرے کے کام میں کامیاب ہوں۔ نٹوں اور قلابازوں کو دیکھو کہ وہ کیا کیا اپنے جسموں سے حرکت کرتے ہیں کہ سب دیکھنے والے حیران رہجاتے ہیں یہی حال تمام کاریگروں کا ہے۔ مگر یہاں انہیں کاموں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن کے تماشے لوگ روپیہ دے کر دیکھتے ہیں۔ ان سب کاموں میں جو تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں مشق و عادت و محنت کی کرامات ہیں۔ ان کا جسم ایسا ہو گیا ہے

جیساکہ تعجب نے والے تماشائیوں کا ہے۔

انسان کے جو جسم کا حال ہے وہی اُس کے ذہن کی کیفیت ہے۔ اس کو جو عطیات الٰہی دیے
گئے ہیں وہ ان ہی کی مشق سے اپنی خوبیاں اور نیکیاں دکھاتا ہے۔ اپنا کمال جو
دکھلاتا ہے وہ اُسکی فقط مشق اور بار بار عمل کرنے کا نتیجہ ہے جسکو عادت کہتے ہیں بعض آدمی
بذلہ سنجی و ظرافت میں بعض نقل و حکایات کی تصنیف میں بعض قصہ و افسانہ سازی میں
مشہور اور نامور ہوتے ہیں۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُن کی طبیعت ہی کی لیاقت اور
جودت ہے کہ وہ یہ کمال دکھلاتے ہیں اُنہوں نے کچھہ اِن فنوں کو علم کی طرح نہیں سیکھا
وہ کچھہ قواعد و اصول جاننے سے ان کے نہیں آگاہ ہوئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ
خوش قسمتی سے اِسی کام میں مشغول ہوئے جس کے لئے اُن کی طبع موزوں تھی۔ اِسی
اُن کی اول ہی دفعہ اُس کام کے کرنے میں تعریف ہوئی اور اِس تعریف سے اُن کو شوق
ایسا بڑھا کہ اُنہوں نے اُس کو بار بار کرنا شروع کیا۔ اور ہمہ تن اپنے خیالات کو اسی طرف
متوجہ کر دیا۔ اور خوب سعی کی کہ اُن میں یہ جوہر پیدا ہو گیا جسکو وہ خود بھی نہیں جانتے کہ
کیونکر پیدا ہوا طبیعت سے بالکل یہ امر جو منسوب کیا جاتا ہے اُس کا بڑا حصہ عادت سے منسوب
کرنا چاہیے۔ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ اول اول طبیعت ہی کی مناسبت اس کام کی
تحریک کرتی ہے مگر بغیر مشق اور عمل کے کچھہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ مشق ہی کا زور ہے کہ وہ
ذہن میں قابلیتیں پیدا کر دیتا ہے کہ جنسے وہ کسی کام میں کمال کر کہلا دیتا ہے بہت سے
آدمی ایسے ہیں کہ اُنکی قابلیتیں تجارت میں دفن ہو رہی ہیں۔ بسبب کم مشقی کے شاعری
میں ترقی نہیں کر سکتے۔ ہم یونیورسٹی۔ لور کورٹ میں دیکھتے ہیں کہ ایک ہی معاملہ میں مختلف
دلائل و براہین پیش ہو رہی ہیں اگر ایک آدمی کالج سے اُٹھہ کر کسی گاؤں کی پنچایت میں چلا
جائے تو وہاں دیکھے گا کہ ذہانت اور ہی کام کر رہی ہے۔ ہر انسان کو قسمت سے جدا جدا
کام ملا ہے۔ ہر کارے و ہر مردے۔ کالج کے طالبعلموں اور آدمیونکی فہموں میں بہت فرق

اور اختلاف جو معلوم ہوتا ہے وہ ایسا قدرتی قابلیتوں اور قوا کے سبب سے نہیں واقع
ہوا جیسا کہ عادات کے سبب سے۔ کوئی شخص نہ عمدہ تقریر کر سکتا ہے۔ نہ استدلال جب تک ان دونو
باتوں میں مشاق نہ ہو خواہ ہزار کتابیں منطق کی اُس کو گھول کے پلا دو۔ اور لقمہ بنا کر
منہ میں رکھ دو مگر صرف قاعدوں کے سننے سے اور اُن کو حافظہ میں جمع رکھنے سے کچھ نہیں
ہوتا۔ مگر مشق اور عادت وہ ہے کہ بغیر قواعد کے سوچے کام کرتی ہے۔ جیسے کہ فقط تصویر بنانے
اور ناچنے کے قواعد سننے سے مصور اور رقاص نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی قواعد اور منطق اور
فلسفہ سننے سے مقرر اور دلیل کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کی فہم اور قوتوں میں جو
عیب اور نقص و ضعف ہوتا ہے اس کا سبب ہوتا ہی کہ وہ اپنی ذہانت کو ٹھیک طور سے
استعمال نہیں کرتے۔ اور ناحق الزام طبیعت پر لگاتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم میں اُسکی قابلیت
نہیں ہی لیکن اصل غلطی یہ ہے کہ ترقی میں قصور کیا ہے۔ بہت سے آدمی دیکھو گے کہ وہ معاملات
دنیا میں بڑے باخبر اور ہوشیار ہیں مگر مذہب کا ذکر ان سے چھیڑے تو پرلے درجہ کے
احمق معلوم ہونگے۔ اس کا سبب یہی کہ اُنھوں نے اپنی ذہانت کو ٹھیک طور پر استعمال نہیں کیا
(۲) عادات جسمانی کا ظہور اعمال خارجی سے ہوتا ہی۔ عادات روحانی کا ظہور اندرونی
اصول عملی کی سعی سے ہوتا ہی یعنی جو اصول انسان کے دل میں عمل کرتے ہیں جیسے اصول
طاعت۔ دیانت۔ عدالت۔ سخاوت۔ اور اُن کے موافق عمل کرنے سے اچھے کاموں کے کرنے
کا قصد کرنا درست اعمال ہی۔ ان سب کاموں کے کرنے سے نیک عادتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن نیکی
کا کرنا صرف خیالی یعنی تصور میں اس کا نقش جانا اور اُس کی نسبت باتیں گھڑنی ضروری
نہیں اس طرح کی عادت ڈالنے سے دل اور سخت ہو جاتا ہے اور پھر نیکی کا اثر دل پر بہت ضعیف
ہو جاتا ہے اور صرف خیالات ہی کی عادت سے اخلاق ہی کا اثر کچھ نہیں رہتا جب ہم صرف
نیکی کا خیال ہی کیا کریں اور اُس کے ساتھ عمل نہ کریں تو اس خیال کی تکرار دل پر اثر کم
کر دے گی۔ قاعدہ ہی جو خیال بار بار آتا ہی اُس کا اثر دل پر کم ہو جاتا ہے۔ خوفناک حادثوں

میں پڑنے سے عادتوں رنج کم ہوجاتا ہے۔ اور آدمیوں کے مرنے ہی دیکھنے کی عادت سے
اپنی موت کا خیال کم ہوجاتا ہے۔ اس اوپر کے بیان سے یہ دو باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ
کہ اعمال کے بار بار متواتر کرنے سے عادت پیدا اور مستحکم ہوتی ہے۔ اور خیالات کے بار بار
متواتر کرنے سے انکا اثر دل پر کم ہوتا ہے غرض کہ جو چیزیں کہ دل میں تحریک پیدا کرتی ہیں
خیالات دلی ہیں انکا اثر عادت سے ضعیف ہوجاتا ہے مگر عملی اثر مستحکم۔ مثلاً طبیب جب مریض
دیکھتے ہی اس کے مرض کے علاج میں ہمہ تن مصروف ہوجاتا ہے اسکے دل پر مرض کا اثر
جو محرک علاج ہے عادت سے ضعیف ہوجاتا ہے۔ مگر عملی عادت جو علاج کرنے کی ہے وہ مستحکم ہوتی
ہے۔ مثلاً طبیب پاس کوڑھی آئے تو عادت دل میں اسکی حالت دیکھکر رحم کم پیدا کریگی
مگر علاج پر جلد مستعد کردیگی۔ غرض جتنی عملی عادت مستحکم ہوتی ہے اتنے خیالی عمل دل پر
ضعیف ہوتے ہیں اور عملی عادتیں مشق اور بار بار کرنے سے ہوتی ہیں۔

(۳) بری عادتیں بڑی تجربہ ہوتی ہیں بڑی محنت و مشقت سے مدتوں میں چھوٹتی ہیں بہت سے
رنج ان کے دور کرنے میں اٹھانے پڑتے ہیں۔ اپنی خواہش کے خلاف کام کرنا سرکش
ارادوں کو روکنا پڑتا ہے نیکی کرنے کی جگہ جو ہاتھ سے جاتی رہے وہ جب حاصل ہوتی
ہے کہ دل میں وہ طبیعت ثانیہ ہے۔

(۴) ہر شخص کا تجربہ اس کو یہ سکھاتا ہے کہ عادت ایک قسم کی طبیعت ثانیہ ہے اس کے موافق
ہم کام اپنی خواہش سے شوق سے اطمینان سے خوشی سے کرتے ہیں وہی ہم سے ہمارے
کام انتخاب کراتی ہے اور اس میں استقلال پیدا کرتی ہے جن چیزوں سے خواہ ہماری عادت
خواہ ہماری طبیعت متنفر ہو دونو صورتوں میں ہم یکساں اسکے مخالف ہوتے ہیں مختصر
یہ ہے کہ انسان پر عادت بالکل قابض اور متصرف ہے کہ بغیر مشقت شاقہ اور محنت نہایت کے
نہ اس کی قوت کا مقابلہ کرسکتے ہیں نہ اس کے تسلط کو ہٹا سکتے ہیں نہ اس کی جڑ اکھیڑ سکتے
ہیں نہ اسے ہلا سکتے ہیں یہ سب باتیں گناہ کرنے کی عادت میں ظاہر ہیں ایسا ہی حال

اس طرح نامعلوم جمع ہو کر عادت پیدا کر دیتے ہیں برف کے ڈھیر پر اگر ایک برف کا گالا
آن کر پڑے تو وہ اس میں محسوس نہیں ہوتا۔ مگر جب اسکی طغیانی ہوتی ہے اور وہ پہاڑ پر سے
ڈھلک کر نیچے اترتے ہیں تو ترائی کے باشندوں کو مغلوب و سرگردان کرتے ہیں پس اسی طرح
آدمی کا ایک کام تو دستی خصلت کو محسوس نہیں ہونے دیتا مگر جب انسان کی جذبات قلبی
اپنی شرارتوں کو جو ان میں عادات نے پیدا کی ہیں کبھی کر کے حملہ کرتی ہیں تو وہ راستی اور
نیکی کو پامال کر دیتی ہیں۔

(۱۰) انسانیت کے واسطے کلنک کا ٹیکا بد عادتیں ہیں جس شخص کو عقل سلیم ہے وہ اُن سے
بچے گو اس کو یقین ہو کہ وہ آدمی اور خدا دونوں سے چھپی ہیں گی اور کوئی سزا بھی ان کے
واسطے عقبیٰ میں نہیں ملے گی۔

(۱۱) آدمی کو چاہئے کہ وہ ابتدائے عمر سے بری عادات سے گریز کرے کیونکہ پیپہ میں جو
عرق پہلے بھرا جاتا ہے اسکا رنگ مدتوں تک اسمیں رہتا ہے۔

(۱۲) عادت کے باب میں چند احکام ہم لکھتے ہیں جن کے موافق عمل کرنے سے دل دانشمند
قاعدوں کی مشق سے عادت پیدا کریگا اول ہمکو چاہئے کہ ابتدا ہی میں نہ کسی بہت مشکل
کام کی نہ بہت سہل کام کی عادت پیدا کرنے کا قصد کریں اسلئے کہ جب ہم اپنی ابطا سے
باہر کسی کام کو شروع کرینگے تو جو طبائع ایسی ہیں کہ وہ اپنے اوپر بہت بھروسہ نہیں
رکھتیں وہ مایوسی سے مردہ دل ہونگی اور جو طبائع اپنے اوپر بہت اعتماد کرتی ہیں انمیں
یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ اس کام کرنے کا وعدہ کریں گی جنکو پورا نہیں کر سکتیں اس سے
کسالت ان میں پیدا ہوگی غرض دونو طرح کی طبیعتوں اور مزاجوں میں تجربہ کرنے سے
مایوسی پیدا ہوگی جس سے دل حیران پریشان افسردہ آزردہ ہوگا۔ اور اگر کسی خفیف و سہل
کام سے عادت کا آغاز ہوا تو کل ترقی کے مجموعہ میں اس سے نقصان عائد ہوگا۔
دوم کسی کام میں علاوہ دست ڈالنے کے لئے قوار کے استعمال وغیرہ و قتوں پہ بہت خیال رکھنا چاہیے

ایک وہ وقت جس میں دل اُس کام کی طرف اچھی طرح شاغل و مائل ہو۔ دوسرا وہ وقت جب
اُس کو رغبت و میلان نہ ہو۔ اول صورت میں ہم ترقی خوب طرح سے خود بخود کر سکیں گے
اور دوسری صورت میں بڑی محنت و مشقت سے دل کی رکاوٹوں کو دور کرکے اور گرمیوں کو
سہینگے جس کے سبب ہمارا بیچ کا وقت اِن دونو وقتوں کے درمیان چین اور آرام
سے بسر ہوگا۔

سوم ارسطو کا یہ حکم ہے کہ ہم اپنی ساری قوت اور سکت اپنی میلان طبعی کی اشیاء کے مقابلہ میں
لگائیں جیسے کہ دہانگی مخالف سمت میں کھینچتے ہیں یا لکڑی کی کجی کے سیدھا کرنے میں مخالف
جانب میں بہ زور کرتے ہیں۔

چہارم ایک قاعدہ کلیہ ہے جس کے سچ ہونے میں کچھ شبہ نہیں کہ آدمی کا دل ان کاموں
کی طرف زیادہ رغبت اور پسند سے مصروف ہوتا ہے جنکا خود حاصل کرنا ہمارا عین مقصود
نہیں ہوتا بلکہ وہ اور کاموں کے پورا کرنیکے لئے کیے جاتے ہیں پس عادت پیدا کرنے
میں اس قاعدہ کلیہ پر عمل ہو۔ اسی طرح کے بہت سے احکام عادت کے انتظام کے لئے
فائدہ مند ہیں عادت اگر سلیقہ اور دانائی سے پیدا کی جائے تو وہ طبیعت ثانیہ ہے اور اگر
نادانی اور بدسلیقگی سے پیدا کی جائے تو وہ میموں طبیعت ہے جو اسکی نقلیں بے ڈھنگی اور بری
طرح سے اتارتا ہے اور منہ چڑاتا ہے جس سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ ارسطو کا قول یہ ہے کہ
روحانی عادت کا نام نیکی ہے۔

تعصب

(۱) لفظ تعصب کے بہت سے معانی عربی زبان میں ہیں اُن میں سے ایک معنی حمایت کرنے کے
ہیں اور اصطلاحی معنی یہ کہ آدمی کسی چیز کو بے دلیل ماننے باوجودیکہ اُس کی تردید میں دلائل صحیحہ
موجود ہوں اسکو ہٹ کرنا یا ہٹ دھرمی بھی کہتے ہیں۔ مگر جس انگریزی لفظ کا ترجمہ تعصب
لیا جاتا ہے اسکے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی بات میں آدمی اپنی رائے پہلے سے قائم کرلے بغیر کافی

یا سخت طور پر جنکے خواہ وہ رائے صحیح ہو یا غلط جب تک یہ تحقیق ہو کہ وہ کس بنا پر قائم ہوئی
ہے تو کیا وہ غلط ہو گیا بغیر شہادت مناسب کے بہت سی صورتوں میں تعصب ایسی رائیں ہوتی
ہیں جو کسی سبب سے آدمی کو خوش کرتی ہیں مگر اُس کو اِن کے سچ ہونے کا یقین نہیں ہوتا اسلئے
وہ انکی تحقیق و امتحان سے خائف ہوتا ہے کہ کہیں وہ جھوٹی نہ ثابت ہو جائیں تعصبات
رائیں بے وجہ کے ہوتی ہیں۔ جو بعض اور سببوں سے سوا حق پرستی کے قائم ہو جاتی ہیں
جس سبب سے وہ پیدا ہوتی ہیں وہ اسی کی قسم سے موسوم ہوتی ہیں یہ سبب کیا تو خرسندی
معصومی معاشرت یا بغض حسد کینہ ہوتے ہیں۔

(۲) ہر شخص یہ شکایت کرا اوروں کو تعصب کیسا گمراہ کر رہا ہے اس طرح سے کرتا ہے کہ گویا یہ
اس عیب سے بالکل پاک صاف ہے اور کوئی اس کا اثر اس میں نہیں ہے یہ اعتراض تعصب پر
سب طرف سے یکساں ہوتا ہے اور یہ بات بالاتفاق مانی جاتی ہے کہ وہ آدمی کی ایک
خطا ہے اور علم کے واسطے ایک بڑی روک ہے اب سوال یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے۔ اسکا
علاج سوا اسکے کوئی اور نہیں ہے کہ اوروں کے تعصبات سے قطع نظر کرکے آدمی فقط اپنے تعصب کا
امتحان کرے۔ کوئی شخص دوسرے کو الزام لگا کے خود اپنے الزام سے بری نہیں ہو جاتا آدمی
ایک دوسرے پر بہتان و تہمت ایک ہی قاعدے سے لگاتے ہیں۔ اسلئے وہ اس بری ہانی سے بچ
اس تعصب کی جہالت اور غلطی کے بڑے سبب کو دنیا سے یوں ہی مٹا سکتے ہیں کہ ہر ایک شخص
بغیر کسی جانبداری کے اپنا امتحان کرے اگر اور لوگ اپنے دل کے ساتھ معاملہ سہت بازی
سے نہیں کرتے تو کیا اس سے میری خطائیں درست و صحیح ہو جائینگی یا ان خطاؤں کے ساتھ
اس سے مجھے محبت پیدا ہو جائیگی اور ان کو میں اپنے دل کے ساتھ چھپا کر لوں گا۔ اگر
اور شخصوں کو اپنی آنکھوں پر جالا رکھنا پسند ہو تو کیا میں اس سبب سے اپنی آنکھوں پر سے
جالا جب کہ میں اُتروا سکتا ہوں نہیں اتروا ؤنگا جو شخص کہتا ہے کہ اندھا ہونا بُرا ہے
اور اپنی چیز دیکھا وہ شوق نہیں کہتا کہ جس سے آنکھوں کی روشنی کم ہو یا دن کی صاف روشنی

بن سے دور ہو۔ وہی امر حق اور علم کی طرف جا سکتا ہی۔ بہت سے مسئلے مقولے مشتبہ اور
جھوٹے ہوتے ہیں ان کو لوگ صحیح اور سچ یقین کرتے ہیں اس سے وہ گمراہ ہوتے ہیں اعتبار کی
[illegible]ن پڑتے ہیں تعلیم اپنے گروہ کی طرفداری ہے۔ ادب و لحاظ۔ وضع و طرز۔ خود غرضی اور اسی قسم
کی اور باتوں سے تعصبات پیدا ہوتے ہیں انسان اپنے بھائی کی آنکھ میں ذرہ کو دیکھتا ہے
اور اپنی آنکھ میں شہتیر کو نہیں دیکھتا۔ گو ہر شخص اپنے عیبوں کے دیکھنے میں اندھا ہے مگر اس کو
واجب ہی کہ مستعد ہو کر اپنے اصول کی خوب چھان بین کرے اور یہ دیکھے کہ وہ امتحان اور
آزمائش کے متحمل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ صرف یہی ایک بات ہی جو آدمی کو علم اور صداقت
کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

تعصب بڑا اندیشناک مکار چال باز ہی وہ ہمیشہ اپنے تئیں راست بازی کے لباس میں دکھاتا ہے
اور صداقت کی شباہت بناتا ہی بڑی مہربانی اور شفقت سے آنکھوں پر پٹی باندھ کے تاریکی
کے اندر لے جاتا ہے اور ایسا آدمی کو دم میں لاتا ہی کہ وہ اندھا بنا ہوا اس تاریکی کو بڑی
روشنی سمجھتا ہے۔ پس جو لوگ اس کی بیخ و بن اکھیڑنی چاہتے ہیں ان کے واسطے یہ مضمون
لکھا جاتا ہی کہ وہ اپنے تعصبات سے آگاہ ہو کر جانیں کہ وہ ہمارے علم و راستی کی بڑی سد راہ
ہے۔ اگر ایک شخص کسی معاملہ میں اپنے مستقل رائے کہتا ہے اور زبان سے کہتا ہی میں نے اپنی رائے
براہین مستحکم پر قائم کی ہے یہ رائے میری خیالی نہیں ہے اور نہ میلان طبع کے سبب سے نہیں
پیدا ہوئی بلکہ جب اس کے واسطے مجھے بڑی عمدہ شہادت ملی ہی تو اس کو اختیار کیا ہے۔
لیکن کیسی ہی دلائل حقہ اسکی رائے کے خلاف پیش کی جائیں پر وہ ان کان نہیں لگاتا۔ دوسری
جانب کی طرف وہ کسی طرح سے نہیں جھکتا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس پر تعصب مسلط ہے
وہ یہ چاہتا ہے کہ اس میں کوئی خلل نہ پیدا کرے۔ کیسی شہادت کے سبب سے سچ کا ماننا نہیں
بلکہ کاہلی سے پہلے سے ایک بات کا سوچ لینا۔ یو نہیں کسی اپنی عزیز بات کو فرض کر لینا
اور اپنے تئیں تحقیق کی تکلیف سے بچاتا ہی۔ اگر کوئی بات سچی شہادت سے ثابت ہو اور رائے

مستحکم دلائل پر مبنی ہو تو پہر اُس کو خوف کیا ہی کہ وہ معرض امتحان و ثبوت میں آئے اگر ہر
شخص کی رائے مستحکم بنا پر قائم ہو اور جو دلائل کہ اُسکو سہارا دیتی ہیں وہ اسکی مقبول ہیں
صاف اور سچی اور اچھی اور یقین دلانی والی ہون تو پہر کیوں آدمی گھبراین اُنکے ثبوت اور
عدم ثبوت میں اخفا کرے جو شخص ایک بات بغیر شہادت کے قبول کرتا ہے اور زیادہ
اُسکے ساتھہ گرویدہ ہوتا ہی وہ یہ مبتلا ہے کہ میں اس میں تعصب کرتا ہوں۔ اور جب وہ
اپنی کسی مخالف بات کو سنتا ہی نہیں تو وہ اپنے تعصب کو خوب ظاہر کرتا ہے اور گویا
یہ کہتا ہے کہ میں نے جو اپنی خوشی اور شوق کے لئے یہ رائے قائم کی ہے اور جو دلائل اُس کے
برخلاف قائم ہوں بغیر سننے اور امتحان کئے اُنپر لعنت بھیجتا ہوں۔
(۳) جو شخص علم مناظر جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ چیزوں کے دیکھنے کے اور اُن کے دکھائی دینے
کے کیا کیا روپ ہیں۔ آنکھوں پر جس رنگ کا شیشہ لگاؤ اُس رنگ کی سب چیزیں اپنا
رنگ بدل کر دکھاویں گے۔ اسی طرح جب ہم اپنی رائے کے شیشہ میں اشیا کو دیکھتے ہیں تو وہ
سب اپنا رنگ بدل کر ہماری رائے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہیں اور پہر ہمارے خیال کی روشنی
اُن کو وسیع مضامین مختصر و منعکس ہر ہزار طرح کی ایسی صورتوں میں بدل لیتی ہے۔
(۴) جو شخص یہ کہتا ہی کہ میں اپنے تئیں تعصب سے یوں باز رکہتا ہوں کہ اوروں کی رائے کے
استفسار اور استشہاد کو نہیں مانتا اور انکا مقابلہ کرتا ہوں تو وہ اپنے تئیں یکتا ہونے کے غرور کا
بیج خود غلط ہونے کا جو خود پرستی کا اور بہت سی برائیوں کا دروازہ کہولتا ہے۔ ناحق کے
جھگڑے اور مباحثے کہڑے کرتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ میری طرف آئیں اور میں اُن کی
نہ جاؤں ہم کو اُن کی رائے پر اطمینان نہیں کہ اچھا ہے خواہ وہ کیسا ہی دعوی کریں جب تک
اور لوگ ان پر شہادت نہ دیں
(۵) بہ مقتضائے عمر تعصب آتا ہے بڑھاپے میں یہ تعصب ہوتا ہے کہ پہلا زمانہ اچھا تھا اور
اب زمانہ بُرا ہے۔

(۶) ہم کو بہت سے تعصبات ایسے ہوتے ہیں کہ ہم اپنی محنت وسعی کے امتحان اور اندازہ کر
نے میں اندھے ہو جاتے ہیں مثلاً لڑکپن میں جو ہم عبارتیں لکھتے ہیں اُن سے ہم اسلئے خوش ہوتے
ہیں کہ وہ ہماری ایام طفلی کی یادگار ہے اور اُس کے بعد جو کچھ لکھا ہے اِس لئے اُس کی
خوشی سے قدر کرتے ہیں کہ وہ ہماری ترقی کی معیار ہے اُسکے بغیر ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ
ہم نے کبھی ترقی کی یہ جو کچھ ہماری قلم سے بے ساختہ نکل جاتا ہے اُسپر ہم واہ واہ کہہ کر
فریفتہ ہوتے ہیں وہ ہماری قوت عقل و رائے کی خوشامد کرتے ہیں اور جو بہت محنت و مشقت
سے خون جگر پی کر لکھتے ہیں اسلئے پسند ہے کہ اُس سے ہماری محنت اکارت جاتی ہے
(۷) ہر شخص کو یہ خیال ہے کہ میری عقل کو کمال ہے ع ہر کس عقل خود را بکمال مے داند
جن رایوں کو وہ اقرار کرتا ہے اُن سے چمٹا چلا جاتا ہے۔ حالانکہ تقریباً کل آدمی اوروں کی
رایوں کی رہنمائی پہ چلتے ہیں نہ اپنی سمجھ پر۔ سچ یہ ہے کہ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ
کوئی رائے آپ پیدا کرتے ہیں بلکہ سارے کے سارے اوروں کی رایوں کو اختیار کرتے
ہیں سوا یہ۔ مربی معلم۔ اور سب سے زیادہ معلم اعظم رسم و رواج ہمارے خیالات کو مدد دیتے
ہیں اُن کے بنانے میں ہماری رائے کو کچھ دخل نہیں وہ چپ چاپ دل کے اندر ایسے
چلے جاتے ہیں جیسے کہ خارجی چیزوں کے تصور۔ غرض ہمارا تعصب تعلیم۔ رسم و رواج سے
پیدا ہوتا ہے۔ اِسی سے یہ عادت ہمکو پڑتی ہے کہ ہم وہی خیال کرتے ہیں جو اوروں نے پہلے
سے خیال کرتے چلے آئے ہیں اور اس کا علم ہی نہیں ہے کہ کیونکر کوئی خیال جدید پیدا کیا کرتے
ہیں ہمارا حافظہ اوروں کے خیال سے لادا جاتا ہے اور سمجھ کو مشق کے لئے جگہ نہیں ملتی اور اگر وہ
مشق کرتی ہے تو ایسے حال میں جو اُسے روکتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہاں یہاں قدم رکھ آخر کو
یہ باتیں جو مصنوعی ہوتی ہیں ہماری ایک قسم کی طبیعت ہو جاتی ہے۔ پھر آدمی کا دل اتفاق سے
ہٹ کر دوسری طرف نہیں جاتا۔ یہ بات بہت سی صورتوں میں صحیح ہے مگر انوکھی بھی ہے
جیسے جاہل آدمی کے واسطے کی +

راہ جیسی آسان اور مختصر ہے اُس شخص کے واسطے نہیں ہے جو اغلاط میں مبتلا ہو۔ جاہل کو
فقط ایک کام سیکھنے کا ہے اور دوسرے کو سیکھنے اور بھولانے کے دو کام ہیں اور بھولانے کا
کام بہت سی صورتوں میں نہایت دشوار ہے۔

(۸) جب آدمی کوتاہ نظر مثل مگس ہوتا ہے تو اُس کو آنکھوں کے آگے بہت کم نظر آتا ہے اسی سبب سے
تعصبات پیدا ہوتے ہیں جیسے کل بڑی عمارت کو مکھی نہیں دیکھ سکتی۔ ایسے ہی متعصب تمام
تدابیر کے منصوبوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ ناہمواری اُسکی نظر کو روکتی ہے اور تعصب پیدا کرتی ہے

(۹) خواہ ایک شخص ہو یا ایک قوم ہو دونوں کی بُرائیوں بھلائیوں کے اندازہ کرنے کا طریقہ
ایک ہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں جب محبت میں ایک دوسرے کی لیاقتوں کو تشخیص کرتی ہیں تو اُس میں
عدالت کو کام میں نہیں لاتیں۔ تعصب کو زیادہ دخل دیتی ہیں۔ میزان عدالت کے پلڑوں میں
بُرائیوں اور بھلائیوں کو رکھ کر نہیں تولتیں بُرائیاں بتلاکے ڈنک لگاتی ہیں مگر نیکیوں کو
فراموش خاطر کرتی ہیں۔ پس دوسری قوموں کی نیکیوں کے بھلانے نے دنیا میں ایک قیامت
برپا کر رکھی ہے۔ اسی سے سارے جھگڑے قضیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اصول عامہ میں درہمی
ہوتی ہے حب الوطنی زہر بن جاتی ہے۔ انسان کی سرشت سے جن آدمیوں کو ذرا سی بھی محبت
ہو اُن کو یہ بات خوب جاننی چاہیے کہ ہم اپنے تعصب کو جو نہایت زبون اور مضر ہے کیونکر
کام میں لاتے ہیں۔ جو شخص بے تعصب ہو کر اور روئے سے برادرانہ ملتا ہے اُس کو شاذونادر
ہی کسی دشمن سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے +

(۱۰) تعصب کے ساتھ جب کوئی اور صفت لگائی جاتی ہے تو مختلف طرح کے خیالات انکی نسبت
پیدا ہوتے ہیں مثلاً تعصب قومی تعصب مذہبی۔ تعصب تعلیم تعصب معاشرت تعصب وطن
بعض آدمیوں کے نزدیک تعصب قومی ایک نیکی ہے۔ وہ نیکی جب ہے کہ اپنی اعتدال کی حد
میں رہے۔ وہ حقیقت میں ایک محبت ہے۔ لیکن اگر وہ حد اعتدال سے تجاوز کرے تو پھر
نیکی نہیں رہتی ہے مثل مشہور ہے کہ سخاوت پہلے اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے پس کوئی

شخص اپنے عزیز و اقربا کے ساتھ سخاوت کرے تو نیکی ہے مگر یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ غیر
باہر سخاوت وہ نہ کرے۔ آدمی اپنی قوم کے ساتھ بھلائی کرے اچھا ہے مگر اُسکے ساتھ وہ
بانٹے کہ اور دنیا کے آدمی بھی اُسکے ہم وطن اعتبار سے ہیں کہ دنیا میں وہ رہتے ہیں۔
جس ملک میں جس شہر میں جس محلہ میں رہتا ہو اُسپر مہربانی کرنے کو وہ ترجیح اوروں پر دے
مگر اُسکو سارے آدمیوں کے ساتھ مہربانی اور لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ اور یہ
سمجھنا چاہئے کہ دنیا بھی میرا بڑا شہر ہے۔ گو ایک شخص ہمارا ہم زبان۔ ہم لباس ہم وضع نہ ہو
مگر ہم منزل ضرور ہے۔ دونوں دنیا میں تھوڑے دنوں کے لئے سفر کرنے آئے ہیں بعض قوموں
کا تعصب بہت بڑھ جاتا ہے وہ اپنے ہم قوم کے ساتھ محبت کرتے ہیں دوسری قوموں سے نفرت
اور اپنی قوم کو دنیا کی کل قوموں پر ترجیح دیتے ہیں وہ اپنی ہی روشنی کو دیکھتے ہیں دوسرے
کی روشنی کو تاریکی جانتے ہیں تعصب مذہبی بھی تعصب قومی سے کم نہیں ہوتا۔ یہ دونوں تعصب
اندیشے سے خالی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد تعصب تعلیم ہے۔ جیسے آدمی تعلیم پاتا ہے اُس کا
بڑا طرفدار رہوتا ہے۔ ساری عمر اس کا تعصب رہتا ہے یہاں تک کہ اگر ایک شخص چوری میں
چوروں کی تعلیم پائے تو اس تعلیم کو وہ اور ساری تعلیموں سے اچھا جانے گا۔ اگر اُس کو چوری
کا مجرم کہئے تو وہ یہ ثابت کریگا کہ چوری جرم نہیں ہے ہنر ہے

بچوں کو نصیحت در باب گفتگو

اے بچو میں تمکو گفتگو کے باب میں چند نصیحتیں اسلئے کرتا ہوں کہ آدمی جو باتیں کیا کرتے ہیں اُنکے
بُرے بھلے معنی لگائے جاتے ہیں اور اُس کے موافق اُن کا بہت کچھ بُرا بھلا ہو جاتا ہے۔
جس بات کو تم جانتے ہو یا یقین کرتے ہو کہ وہ جھوٹ ہے اُسکو کبھی ایسے پیرایہ میں بیان کرو
کہ وہ سچ معلوم ہو۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ بولنے کی برابر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ میاں نے
زبان سچ بولنے کے لئے دی ہے جھوٹ بولنے کے لئے نہیں قطع نظر اس گناہ کے یوں بھی
جھوٹ بولنا انسان کے حق میں مضر ہے جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے دروغ بولے تو کیسے

ان کی سوسائٹی میں سلامتی اور خیریت رہ سکتی ہے۔ کذب سے دل ایسا پاجی اور کمینہ ہوجاتا ہے
کہ بے ضرورت جھوٹ بولتا ہے اور سچ بولنا مشکل ہوجاتا ہے اور سچ بولے تو کوئی اعتبار نہیں کرتا
اس کو عادت کے سبب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔

تم کو جھوٹ بولنے سے پرہیز ہی نہیں چاہئے بلکہ اس کے سایہ سے گریز۔ اگر کوئی بات تمھاری رائے
یا قیاس کے موافق ہو یا تم کو اس کی اطلاع ہوئی ہو تو اس کو یوں نہ بیان کرو کہ وہ قطعی اور
یقینی اسی طرح ہے۔ ہمیشہ مختصر الفاظ میں باتیں کیا کرو خصوصاً اجنبی اور بزرگوں کے سامنے
کیونکہ یہ موقع ایسا ہوتا ہے کہ اس میں تم بزرگوں یا اجنبی آدمیوں کی باتیں سن کر اپنا علم و تجربہ
بڑھاؤ اور عقلمندی حاصل کرو نہ یہ کہ بکواس کرو جس سے تمھارا ضعف عقل ظاہر ہو اور علم و ادب
سیکھنے کا موقع ہاتھ سے جائے۔ ایسے مواقع پر بولنا گستاخی سمجھی جاتی ہے۔ اور خاموشی بہتر ہوتی
گفتگو میں درشتی اور طمطراق نہ ہو۔ مخالفوں کو استدلال اور براہین سے ساکت کرو نہ یہ
کہ اپنے غل شور مچانے سے۔

جب کوئی دوسرا شخص بول رہا ہو تو اس کی بات نہ کاٹو۔ پہلے اس کی پوری بات سن لوگے
اور سمجھ لوگے تو پھر اس کو جواب خاطر خواہ دے سکوگے جب کوئی بڑا ضروری کام درپیش ہو تو
اس میں بولنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے۔ اور جو کچھ بولو پہلے اس کے معانی خوب سمجھ لو۔
کوئی طعن و طنز اس میں ایسی نہ ہو کہ وہ کسی کو ناگوار خاطر ہو اور باعث رنجیدگی ہو۔ جو کچھ
کہو ادب و حیا کے ساتھ۔ عاقل بولنے سے پہلے سوچتا ہے اور احمق بولنے کے بعد۔

کوئی شخص زراعت خوب جانتا ہے اور کوئی تجارت۔ کوئی علوم ریاضیہ۔ غرض جو شخص جس
فن کا ہو اس سے تم باتیں اسی فن کی متعلق کرو اس سے تمھاری معلومات بڑھے گی۔ اس طرح کی
معلومات بہت کام آتی ہے۔

جب تم اوچھے اوباش بیہودہ شوخ آدمیوں کی صحبت میں بیٹھو تو زبان کو لگام دو اور
احتیاط سے بولو اور اپنا برتاؤ ان کے ساتھ ایسا رکھو کہ کوئی برائی ان کی تم کو نہ لگ جائے

اگر کسی شخص کو تم جانو کہ وہ سچا سنجیدہ متین آدمی ہے اور وہ تمھارے سامنے عجیب و غریب باتیں بیان کرے تو تم اُن کو یقین نہ کرو اور نہ اور لوگوں کو ان کو سناؤ۔ مگر یہ بھی نہیں کہ تم اِن کے ساتھ بحث و تکرار شروع کرو کہ یہ باتیں نہیں ہو سکتیں مگر ہاں تم کو اپنی اظہار رائے کی اجازت ہے تو اس کو نہایت ادب تخاطب سے ظاہر کرو۔ غرض ایسی باتیں کرو کہ نہ دوسرے کو رنج ہو نہ تمہاری احمقانہ سریع الاعتقادی ظاہر ہو۔ کبھی کوئی لفظ اپنی تعریف کا زبان پر نہ لاؤ۔ اگر اپنی تعریف آپ کرو گے تو اس سے معلوم ہوگا کہ تمھاری شہرت بہت تھوڑی ہے۔ اور ایسی تعریف اپنے منہ سے میاں مٹھو لوگوں کو ناگوار ہوتی ہے اور رنجیدہ خاطر کرتی ہے اور تم کو ڈبوتی ہے تم کسی کی غیبت نہ کرو جب تک وہ اس کا مستحق نہ ہو۔ اور اسکی ضرورت نہ ہو۔ باتیں کرنے میں قسم کھاؤ نہ مثل اُنکے اور ایسے الفاظ کہو کہ ہم سچ کہتے ہیں یا ہماری عادت جھوٹ بولنے کی نہیں اگر جھوٹ بولیں تو مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔ اور علی ہذا القیاس۔

جن آدمیوں میں قدرتی عیب نقص دیکھو تو ہنسی کی باتوں میں اُن کی خاک نہ اڑاؤ۔ بلکہ اُن سے دل میں متاثر ہو کر نیکی پیدا کرو۔ کبھی ایسی گفتگو نہ کرو کہ جن کے الفاظ لوگوں کا کلیجہ چھید ڈالیں اور چھاتیوں میں برچھیاں لگائیں۔ اور اوروں کی تذلیل و تحقیر تخویف کا باعث ہوں۔ اچھے الفاظ دوست بناتے ہیں بُرے الفاظ دشمن۔ آدمی کو چاہیے کہ جتنے دوست دیانت کے ساتھ پیدا ہو سکیں پیدا کرے۔ یہ حبیب دوست ایسے ارزاں جیسے الفاظ شیریں ہیں ہاتھ لگیں تو اُنکو کیوں چھوڑے۔ اس سے زیادہ کوئی حماقت نہیں کہ تم کسی شخص کو اپنا دشمن بنالو جس سے اپنے تئیں کچھ فائدہ بھی نہ ہو۔ جب چھوٹوں سے خطائیں سرزد ہوں تو بزرگوں کو ان کی اصلاح ضرور ہے مگر یہ اصلاح بغیر تلخ کلامی اور درشت زبانی کی ہو تو بہتر درشت زبانی خطاوار کو ڈھیٹ کر دیتی ہے۔ اور ملامت کرنے پر ملامت کرتی ہے۔ اگر کسی شخص کو غصہ بہت آتا ہو وہ تم سے بُری طرح بولے تو تم اُس پر رحم کر کے معاف کر دو غصے نہ ہو۔ تم خوب جان لو کہ خاموشی اور شیریں کلامی انتقام کے لئے لعنت ملامت سے بہتر

وہ فوراً دوسرے کے غصّہ کو فرو کر دیتے ہیں اور وہ اپنی حرکت پر نادم ہونے لگتا ہے اور
یوں سخت سزا اسکو اپنی خطا کی مل جاتی ہے۔ کبھی قسم نہ کھاؤ کسی کو کوسو نہیں قسم کھانا کوسنا
پاجی کمینوں کی عادت ہوتی ہے۔ بعض برائیاں چھوٹے آدمی بڑے آدمیوں سے سیکھتے ہیں
بعض برائیاں بڑے آدمی چھوٹے آدمیوں سے سیکھتے ہیں پس یہ قسم کھانا اور کوسنا شریف
زادوں نے سیکھے ہیں یہ دونو برائیاں ایک سی پاجی پنے کی ہیں۔ خدا کی قسم کھانا اور یہ
کسی کو کہنا کہ خدا تجھکو جہنم میں ڈالے ایک ہی بات ہے۔ کیا نا خدا پرستی کہ آدمی جن اپنے عزیز
و رجان کی سلامتی چاہتا ہے۔ اُن سے محرومی کے لئے دوستوں اور عزیزوں کو کوستا ہے
جو اوروں پر لعنت کرتا ہے اسپر خود لعنت ہوتی ہے جو خود فوارہ لعنت بنتا ہے اُسپر لعنت خود
پڑتی ہے۔

خاکساری کے ساتھ زندگی بسر کرنی

جو بزرگ کہ خاکساری و فروتنی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنے تئیں بناکے تمام
جھگڑوں اور بکھیڑوں سے بچاتے ہیں نہ خود حاسد ہوتے ہیں نہ کسی کی محسود بنتے ہیں نہ خود کسی کی
آداب اور کورنش بجاتے ہیں نہ اوروں سے اپنی تعظیم و تکریم کراتے ہیں اگر کوئی نیک
بے ریا دوست مل گیا تو اُسکے ساتھ ایسے مقامات میں پھرتے ہیں کہ نہ کوئی اُن کو جانے
وہ کسی کو جانیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم جگت آشنا ہوں تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنا دروازہ
کھول دیں کہ لوگ آن کر ہماری تضیع اوقات کیا کریں اور اپنے پیچھے روزانہ لوگوں کی
ہرزہ درائی کی وبا لگالیں وہ اس میں اپنی عسرت نہیں سمجھتے کہ اُن کو بہت لوگ جانیں
اور جب وہ راہ میں چلیں تو لوگ اُنگلیوں سے اُنکو اشارہ کرکے بتائیں یہ بات تو اُن چیزوں کو
بھی حاصل ہے جو قدرتی یا مصنوعی عجیب و غریب ہوں۔ جو شخص اونچی دکان لگاکے دوائیں
جھوٹی تعریف کرکے بیچتا ہے اُس کو بہ نسبت حاذق حکیم کے اور جو شخص پھانسی دیتا ہے اُس کو
بہ نسبت جج کے لوگ زیادہ جانتے ہیں اور رستہ میں اُنگلیوں کے اشارہ سے بتاتے ہیں

نیک نامی بے شک اچھی چیز ہے کیونکہ وہ نیکی کا سایہ ہے۔ اور سایہ بھی وہ نہیں ہے کہ شخص سے ساتھ رہنے سے اُسکو فائدہ نہ پہنچائے بلکہ وہ ایسا مشہور ہے کہ اوروں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ سب سے زیادہ شان و شوکت دیانت کے پرتو کو جانتے ہیں گو اس سے زندگی میں کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور مرنے کے بعد بھی معلوم نہیں کہ کیا ہو۔ غرض وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے پینے کو پاس ہو اور ہر کام اعتدال کے ساتھ ہو۔ دو چار نیک دوست بات چیت کرنیکے لئے ہوں اور جنتک کے آشنا اُنکو اچھا جانتے ہوں اور کوئی بُرا اُنکو نہ کہتا ہو۔ اور اِس دنیا سے بغیر بیرانہ سالی کے تکلیفیں اُٹھائے چل بسیں تو دُنیا کے بڑے بڑے امیروں و بادشاہوں سے اچھے ہوں +

شرافت نسب پر فخر

آدمی کو نکو کاری بلندی پر چڑھاتی ہے اور بدکاری پستی میں گراتی ہے۔ پھر اس کیا مطلب ہے کہ کوئی شخص کسی نسل سے پیدا ہوا ہے اور اُس میں کیا بدنامی ہے کہ اُس کی نسل اچھی نہ تھی [illegible] زشت کرداری کے واسطے باپ دادا کی شرافت عذر نہیں ہو سکتی۔ وہ باعث ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے۔ کوئی شخص باپ دادا کے سبب سے نہ خدا کے نزدیک نہ انسان کے نزدیک سربلند ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص عالی نسب ہو یا بدنسب۔ اُس کا ہاتھ جو ضرر پہنچائے گا۔ اُس میں کوئی بات ایسی نہیں پیدا ہوگی کہ لوگ اُس کو آسانی سے برداشت کرلیں اور اگر وہ مہربانیاں کریگا تو اُسکے قبول کرنے میں کوئی انکار نہیں کریگا۔ لیاقت اور قابلیت جائداد کی طرح ورثہ میں نہیں آتیں اگر آتی ہوتیں تو پیغمبروں کی اولاد میں سے پیغمبری کیوں جاتی۔ اگر کوئی شخص بڑے نواب خاں اور دولت مندوں ہاں پیدا ہو تو اُسکے سر میں دماغ ہے فروغ نہیں ہو جائیگا [illegible] دل میں سچائی نہیں پیدا ہو جائیگی۔ اِن خوبیوں کے پیدا ہونے کا سبب اعلیٰ تو اور ہی ہوتا ہے کسی شخص کو یہ منصب نہیں ہے کہ وہ اپنی دولت مندی اور شرافت نسب کے سبب سے دوسرے لائق شخص پر جو اس سے کمتر ہو نظر حقارت سے دیکھے۔ کیونکہ ایک شخص بڑا اپنے باپ دادا کی لیاقت کے سبب ہے یہ دوسرا اپنی ذاتی لیاقت کے سبب سے۔ اب تمہیں انصاف کرو کہ ان دونوں میں

شرافت کا زیادہ دورہ ہوتا ہے۔ پس ایسا شخص جو عالی نسب ہو وہ اس اپنی ہمراہ
آدمی پر شرف رکھتا ہو جو اچھے خاندان کا نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص کوئی اور خوبی و ہنر سوا شرافت
نسب نہیں رکھتا وہ بھی ادب و تعظیم کا مستحق بہ نسبت اور عوام الناس کے ہے۔ بعض آدمیوں کو
اس شرافت نسب پر بڑا غرور ہوتا ہے اور وہ اپنا بڑا ادب لوگوں سے چاہتے ہیں ان کو
جاننا چاہیے کہ جہالت و بدکاری شرافت نسب کے سر اوپر داغ لگا دیتی ہے اور نالائق
کام دنیا کی نظروں میں ایسا ہی ذلیل کر دیتے ہیں جیسے کہ شرافت نسب ان کو سر بلند
اور عظیم الشان بناتی ہے۔ بعض آدمیوں کی رائے ہے کہ جو کوئی نیا شخص بڑا صاحب لیاقت
ہو تو اس کی عزت ایسی ہی کرنی چاہیے جیسے نالائق شریف زادوں کی جنکے باپ دادا نے
کبھی زمانہ میں لیاقت کے کام کئے ہوں۔ غرض یہ لوگ ایسے آدمی کی حقارت کرتے ہیں
جو لیاقت میں شریف خاندان کے بانی اول کی برابر ہے۔

(۳) فخر نسب تعصب سے پیدا ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی محبت جب حماقت و غرور کے ساتھ
ازدواج کرتی ہے تو اس سے فخر نسب پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو بڑا فخر اس سے اپنی پیدائش کا
چاہیے کہ جسم قوی اور دماغ عالی فہم مستقیم۔ رائے بلند۔ دل روشن ہو۔ نہ اس خاندانی شجرہ
نسب کے ثمر سے جو چھا کر بے مزہ ہو گئے ہیں۔ جو لوگ عالی نسب ہوتے ہیں وہ کہا کرتے ہیں کہ جو
شرافت نسب وہ نہیں رکھتے وہ اسکی قدر نہیں رکھتے۔ وہ بیچارے کیا جانیں کہ شریفوں
کے بدن میں شرافت کا خون دورہ کرتا ہے جس سے بڑے نیک کام ہوتے ہیں۔ رذیل
آدمیوں کے رگ پٹھوں میں وہ خون ہی ہوتا نہیں جو جوش میں آکر شریف کاموں پر آمادہ کرے
شرافت نسل تو وہ چیز ہے کہ جانوروں میں بھی دیکھی جاتی ہے گھوڑوں اور کتوں کی قیمت
نسل کے سبب سے لگائی جاتی ہے۔ مگر یہ شریف نہیں جانتے کہ ایسا شرافت نسل کا دعوی
تو ہر شخص یوں کر سکتا ہے کہ وہ کہے کہ میرا باپ وہ ہے جو سب سے اول آدمی تھا جس کی اولاد
یہ انساب ہیں۔ غرض انسان کو اپنے نفس سے بڑی محبت ہے وہ یہ ناحق فخر و مباہات کراتی ہے

(۴۴) کو غلاموں کو فقط غلام کے نام سے شرمندگی ہوتی ہے مگر وہ نیک چلن ہوں تو آزادوں سے اُن کا درجہ کچھ کم نہیں کیونکہ فقط غلام کے نام سے کوئی بُرا نہیں ہوتا بہت سے غلام تو آزادوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ فقط نام غلاموں کو بدنام کرتا ہے۔ مگر ان کا دل بہت آدمیوں سے جو غلام نہیں ہیں زیادہ آزاد ہے۔ غلام کا گوشت وہی ہوتا ہے جو اور آدمیوں کا۔ وہ پیدائش سے غلام نہیں ہوتا قسمت سے غلام ہو جاتا ہے۔ بڑا شریف عالی نسب وہی ہوتا ہے جو نیک خلق ہو۔ بدخلق خواہ کیسا ہی عالی خاندان ہو کمینہ ہوتا ہے۔ اسلئے شرافت نسب کی وقعت میری نظر میں کچھ نہیں ہے۔

دُنیا کی نعمتوں کی شکرگزاری

دنیا میں ہزاروں مصیبتیں ہیں جس مصیبت سے تم بچو اُس پر خدا کا شکر بھیجو۔ بیماریاں دیکھتے ہو کہ کتنی ہیں کہ کوئی پتھری کے مارے تڑپ رہا ہے۔ کوئی گھٹیا سے کھٹیا پر لگ رہا ہے۔ کوئی ہاتھ پاؤں سے اپاہج پڑا ہے۔ پس جب ہم تندرست اور امراض جسمانی سے خالی ہوں تو خدا کا ہزار ہزار اور اگر امراض روحانی میں مبتلا نہ ہوں تو لاکھ لاکھ شکر ہم کو بھیجنے چاہئیں کسلی کسی مصیبت سے بچے رہنا خدا کا ایک نیا فضل و کرم ہمارے حال پر ہے۔ بہت سے آدمی کھاتے پیتے ہیں ہنستے ہیں چین سے رہتے ہیں گاتے ہیں آرام سے اپنی نیند سوتے ہیں۔ دوسرے روز جاگتے ہیں اور تازہ دم ہو کر پھر وہی کام کرتے ہیں جو پہلے روز کئے تھے۔ اِن آدمیوں کو وہ نعمتیں حاصل ہیں جنکو دولتمند اپنی ساری دولت خرچ کر کے بھی نہیں مول لے سکتے ہیں ہم بعض دولتمندوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ رات دن دولت جوڑنے کی فکر میں گرفتار رہتے ہیں انکو ہنسنے تک کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔ اور اُنہوں نے اِس دولت کے کمانے کے لئے اپنی کل زندگی وقف کر دی ہے۔ حضرت سلیمان کے اِس قول پر عمل ہے کہ دولت اُسکے واسطے ہے جو محنت کرتا ہے۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ آدمی کا خوش کرنا دولت کے اختیار میں نہیں ہے۔ کیا خوب ایک حکیم نے یہ لطیفہ کہا ہے کہ دولت ورے پرے دونوطرف مصیبتیں برابر ہیں خداوند فقر و فاقہ کو تو دے نہیں کہ جس سے کمر ٹوٹ جائے مگر اتنا دے کہ محتاج کو کافی ہو تو پھر قناعت

رکے خدا کا شکر گزاری میں زندگی بسر کرنی چاہئے۔ آدمی کو نہیں چاہئے کہ وہ اس کی
شکایت کرے کہ عطیات الٰہی غیر مساوی انسانوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ جب تم کسی شخص کو
دیکھتے ہو کہ وہ دولت و مال سے مالا مال ہے تو اسکی ظاہری حالت کو دیکھتے ہو اور
اسکے تردوات کو جو حفاظت دولت کی کنجی ہیں نہیں دیکھتے خدا ہی جانتا ہے۔ دولتمند
لوگ بندوں میں دولت وہ بوجھ ہے جو چلنے نہیں دیتا۔ دولتمندوں کی ظاہری خوشحالی
سب دیکھتے ہیں اور یہ چند ہی آدمی سمجھتے ہیں کہ اُن کا حال ریشم کے کیڑے کا سا ہے
کہ اندر ہی اندر وہ اپنے معدے سے مادہ نکال کر ریشم بنتا ہے اور خود تحلیل ہوا جاتا ہے
ایسے ہی دولتمند دولت کے فکر و تردد سے اندر ہی اندر گھلے جاتے ہیں۔ خدا کا بڑا
شکر انسان کو بھیجنا چاہئے کہ اُسنے دولت کے فکروں سے بچایا ہے۔ اور تندرستی کے ساتھ کھانے
پینے کو کافی دیا ہے۔ بہت سے آدمی جن عطیات عامہ الٰہی کو روزانہ دیکھتے ہیں اُن کے شکر
کا خیال نہیں کرتے اور نہ کچھ اُنکی قدر کرتے ہیں اگر ایک ہی دفعہ گھنٹہ بھر کے لئے اندھے
کی آنکھوں کو خدا تعالیٰ کھول دے اور وہ آفتاب کو دیکھے تو اُس کی عظمت و شان وہ
آنکھوں میں سمائے گی کہ پھر کسی دوسری چیز کی طرف خواہ
وہ کیسی ہی خوبصورت فرحت افزا ہو نظر ڈالنے کو جی نہیں چاہے گا اور متحیر ہو کر اُسکی
تعریف کرے گا۔ پس ایسی نعمت پر جیسے کہ آفتاب ہے اور جسکو تم روز دیکھتے ہو شکر نہ بجا لاؤ تو بڑی
کافر نعمتی ہے آفتاب کے سوا اور عطیات و انعامات الٰہی جیسے ہوا پانی وغیرہ جو عام ہیں
ان پر شکر بھیجنا لازم ہے۔ غرض خدا نے ہمارے لئے آفتاب کو بنایا ہے۔ وہی ہماری حفاظت
کرتا ہے۔ وہی مینہ برساتا ہے پھول کھلاتا ہے معدہ بناتا ہے اُنکے لئے غذا مہیا کرتا ہے۔ فنا
فراغت ہمارے چین کے لئے دیتا ہے۔ اس کا شکر لاکھ لاکھ بھیجنا چاہئے +

بڑا کتب خانہ

میں ایک کتب خانہ میں جا نکلا۔ وہاں جو کتابوں کے انبار کے انبار دیکھے تو میری عقل حیران

ہیں کس حیرت کدہ میں آگیا جہاں ساری دنیا کی ذہانت کا ذخیرہ جمع ہے۔ کبھی اس کو دیکھ کر
میرا دل شکستہ ہوتا تھا کہ میں کب ان سبکو مطالعہ کر سکتا ہوں۔ کبھی میرا دل شگفتہ ہوتا
تھا کہ جس علم کی تحصیل میں تکمیل چاہوں گا۔ اس میں میری مدد کرنے کے واسطے یہ سامان
موجود ہے۔ اس کتب خانہ کے کتابیں حضرت سلیمان کے اس قول کی تصدیق کرتی ہیں کہ
نئی کتابوں کے لئے انتہا نہیں خدا نے انسان کو ذہن دیا ہے کہ ہمیشہ کام کرتا رہتا ہے چھپی
ہوئی سچی باتوں کو کاوش و تردوش کر کے منکشف کرتا ہے۔ فرصت میں تجربوں سے ایجاد کرتا ہے
اگر خدا نخواستہ یہ ذہانت کا کام دب جاتا تو انسان کے حق میں نہایت مضر ہوتا۔ ذہن تو
حال شمعوں کا سا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو روشن کرتی ہیں۔ انسان جو کچھ اپنے سوچ بچار
غور خوض سے اپنے نزدیک سچی باتیں معلوم کرتا ہے۔ وہ کاغذ کے حوالہ کر دیتا ہے۔ کیا یہ کتابوں
میں تسخیر و اعجاز نہیں ہے جب فدوی الق اور قابل فاضل کو بلاتے ہیں وہ ہمارے
سامنے آموجود ہوتا ہے اور اس کے سامنے اپنی تمام شبہات بیان کر کے رفع کر لیتے ہیں
دنیا کے جس کونے سے چاہتے ہیں عمدہ حکیم طبیب لی اللہ بلا لیتے ہیں۔ اور ان کے سامنے اپنے
تمام سوال بیان کے جواب ایسے سن لیتے ہیں کہ خاطر جمع ہو جاتی ہے۔ کیا عجیب خاموش
معلم ہیں کہ جب ان کے چہرہ پر نظر ڈالئے وہ کچھ نہ کچھ سبق پڑھا دیتے ہیں۔ کوئی قانون اور
نہیں ہے کہ مجھے سارے کتب خانہ کے پڑھنے پر مجبور کرے۔ مگر ہاں جتنا میں زیادہ کتابوں کا
مطالعہ کرتا ہوں اور ان کو ہضم کرتا ہوں یعنے سمجھتا ہوں اتنا ہی زیادہ ان کو پسند کرتا ہوں
یہ کتابیں نہیں ہیں بلکہ ہدایت کے لئے چراغ روشن ہیں اب اگر کوئی تاریکی کی شکایت کرے
تو اسکو اندھا کہنا چاہیئے۔ خدا ان پر اپنی رحمت بھیجے کہ جنہوں نے اپنا دل و دماغ جگر جان ساری
زندگی ان بیش بہا کاموں میں صرف کر دی اور اپنے دل و دماغ کو چراغ اوروں کی روشنی کے
لئے بنا دیا۔ سکندر نے اپنے کتب خانہ کا نام معالج روحانی رکھا تھا۔ یہ نام کیا اسم با مسمی ہے
(۲) کتابیں نئے نئے منظر سامنے لاتی ہیں ہم کو سکھاتی ہیں کہ کس طرح زندگی بسر کریں

غمزدوں کی غمزدائی کرتی ہیں متمردوں کو تنبیہ کرتی ہیں احمقوں کو نصیحت کرتی ہیں۔
غافلوں کی خرد افزائی کرتی ہیں وہ سب کی مدد کرتی ہیں وہ بدنصیبوں کو برباد ہونے سے
بچاتی ہیں۔ کسی مصیبت زدہ سے وہ کنارہ نہیں کرتیں وہ مغرور دل و خود غرضوں اور
تنگ دلوں کی طرح حاجت مندوں سے ترش روئی اور بے رخی نہیں کرتیں یہ ان میں کیا خوبی
ہے کہ وہ جو چیزیں بادشاہوں کو دکھاتی ہیں وہی غریبوں کو۔ روحانی امراض کا علاج
بتلاتی ہیں عقل کے مفلسوں کو خیالات کا خزانہ دیتی ہیں۔ آتش غیظ و غضب کو
بجھاتی ہیں۔ مروجہ امراض مزمنہ کی حکمی دوا بتلاتی ہیں خواہ درد سر ہو یا درد دل
وہ دونوں کا درمان [illegible] ہیں۔ [illegible] گو کوئی آواز ان میں نہیں نکلتی مگر ساری
زندہ باتیں ان میں موجود ہیں جو چیزیں زندہ نہیں ہیں ان کا مدفن اپنے اندر بنا کر
زندگی جاوید ان کو دیتی ہیں وہ زمانہ آئندہ کی قوموں کو نصیحت و تعلیم و خوش کرتی ہیں
خدا کے فضل نے یہ انسان ہی کو سکھایا ہے کہ وہ اپنے دل و دماغ کی تصویر کا چربہ کتاب
میں اس طرح لگائے کہ وہ قائم رہے۔ چند برس آمنے سامنے جب ہوتے ہیں باتیں کرتے
ہیں مگر انسان دور دور بیٹھے ہم کلام ہوتے ہیں کتابوں کی تصنیف میں مصنف خون جگر
کھاتے ہیں اور جگر کو خون کرتے ہیں تاکہ زمانہ میں ان کی تعریف ہو۔ اور شہرت مدت
رہے تصنیفات بھی انکی اولاد ہوتی ہے جسکو وہ بہت محنت و مشقت سے پیدا کرتے ہیں اور
بڑی خبرداری سے پالتے پوستے ہیں تاکہ وہ انکی یادگار رہے۔ کتابیں ایسے بزرگوں
کی مدفن ہیں جو مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے ان کے سر پر شہرت کا تاج رکھا ہوا ہے۔
(۳) پرانی کتابوں کی ناقدری اور نایابی بہت سے مصنف ایسے تھے کہ وہ اپنے زمانہ میں
بڑے نامور تھے اور انکی تصنیفات کا ذکر ان کے معاصرین کی کتابوں میں بہت تحسین اور
آفرین کے ساتھ ہوتا تھا۔ اب کبھی ان کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔ تصنیفات انکی کہیں
دیکھنے میں نہیں آتیں اور اگر کہیں کسی کتب خانہ میں وہ پڑی ہوتی ہیں تو ان کو کوئی اٹھا کر

پڑے رہتے ہیں ردی کی طرح گلی سڑی رہتی ہیں اور یاد دلاتی ہیں کہ انسان کو امید نہیں کیا کیا فریب
دیتی ہیں اور عزت کا حاصل ہونا کیسا ناحق ہے۔ ان ناموروں کی گمنامی کے اور اُن کی
تصنیفات کی ناقدری کے لئے یہ سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جو ناموری اُن کو کسی زمانہ میں
حاصل ہوئی وہ اُس کے مستحق نہ تھے۔ دوستوں کی مہربانی سے اور خوشامدیوں کی خوشامد
سے اُن کی شہرت کا آوازہ بلند ہو گیا۔ نکتہ شناسوں نے اِن پر توجہ نہیں کی۔ جو آدمی
اور ہر دل عزیز ہوتے ہیں اُن کی تصنیف کی تعریف بڑی شد و مد سے ہوتی ہے۔ مگر یہ
اُنکے نام کی گونج آدمی سُنتے سُنتے تھک جاتے ہیں کہ ایک ہی نام ہزاروں شخصوں سے
ایک ہی دفعہ نکلتا ہے۔ دوم بعض مصنفین کی ناموری میں بٹا یوں لگ گیا اور اُن کی سخت
محنت کا صلہ یوں خاک میں مل گیا کہ اُن کو ناموری و صلہ دونو بہت جلد حاصل ہوئے
زمانہ حال کے واقعات پر جن کا چرچا اُن کے زمانہ میں بہت پھیل رہا تھا اُن پر وہ حاوی ہوئے
اور اُس میں اُنھوں نے مضامین تحریر کئے جو لوگوں کی طبائع کے موافق تھے جسکے سبب سے
اُن کو جلد ناموری حاصل ہو گئی۔ مگر جب وہ واقعات نہ رہے اور نہ وہ لوگ رہے جو اُن سے
علاقہ رکھتے تھے تو پھر اُن کی یہ ساری تحریریں ردی ہو گئیں جب معلول نہ رہا تو علت آپ ہی
جاتی رہی۔ زمانہ کے انقلاب سے واقعات زمانہ بدلتے رہتے ہیں۔ اب نئے نئے واقعات رونما ہوئے
لوگ اُنکی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر پہلے مصنفوں کی تصنیفات کی تقویم پارینہ کون پڑھتا اور دیکھتا
جو تصنیفات کہ اصول عامہ پر لکھی جاتی ہیں اور اُن میں حقائق عامہ کا بیان ہوتا ہے
تو البتہ اُن کی نسبت یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مدتوں تک پڑھی جائیں کیونکہ وہ ہر زمانہ میں اور
ہر ملک میں ایک ہی [illegible] رہتے ہیں وہ زمان و مکان کے ساتھ مخصوص و مقید نہیں ہوتیں کہ اُنکے
بدلنے سے وہ نکمی ہو جائیں انہیں چیزوں سے انسان کو مدت تک محبت رہتی ہے جو عقل پر
مبنی ہوتی ہیں نہ اُن چیزوں سے جو جذبات پر مبنی ہوتی ہیں۔ جو مشہور تصنیفات بادشاہوں
کے جذبات نفسانی کے خوش کرنے کے لئے لکھی گئیں وہ اُنہیں کے ساتھ دفن ہو گئیں ۔

(۴) فاضل عالم جیسے سب یہ شکایت کرتے ہیں کہ متقدمین کی کتابیں زمانہ نے برباد کر دیں
ایسی وہ کوئی اور شکایت نہیں کرتے اُن کو دلی قلق اور رنج ہے کہ قدیمی شائستگی اور تہذیب کے
زمانہ میں جو مصنف نامور اور مشہور تھے سوا ان کے نام کے اب کوئی اُن کی تصنیفات باقی
نہیں رہی - ان ناموں سے وہ آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں جو کبھی پوری نہ ہونگیں اور وہ رنج پیدا
ہوتے ہیں جنکی کبھی تسکین نہیں ہوگی مگر اسکو وہ غنیمت نہیں جانتے کہ اگر متقدمین کی تحریرات
برابر زمانہ میں باقی رہتیں اور اسکندریہ کا کتب خانہ اور بڑے بڑے کتب خانے فنا نہ ہوتے تو
بتلائیے کہ نئی تصنیف کوئی کیسی کر سکتا اور زمانہ میں نیا مصنف کون مشہور ہوتا - اول تو
ان کتابوں کے مطالعہ ہی سے فرصت نہ ہوتی اور اگر کوئی جرأت کر کے کچھ تصنیف کرتا تو یہی
کہا جاتا کہ اُس نے اور تصنیفات سے نقل کر دی ہے - غرض کسی کا چراغ متقدمین کے سامنے
فروغ نہ پاتا - اس زمانہ میں جو مصنف شہرت اور اپنی محنت کا صلہ پا چکے ہیں وہ ہرگز
ہرگز نہ ہوتا - پہلی تصنیفات کے مٹ جانے ہی نے شہرت کرائی اور صلہ دلایا -

علم کی تحدید

علم کا حال دریا کا سا ہے اگر اسکو وہاں جاکر دیکھو جہاں سے نکلتا ہے یعنی منبع پر تو نہایت تنگ ہوتا
ہے اور خوب اچھی طرح نظر آتا ہے - پھر آگے نکل کر وہ بڑھتا جاتا ہے اور اپنے کناروں کو
بناتا جاتا ہے جن پر سرسبز درخت اور شاداب سبزہ زار اور رنگ برنگ کے پھول سیر دکھاتے
ہیں پھر آگے چل کر وہ بہت چوڑا اور گہرا ہو جاتا ہے اور آخر کار سمندر میں جسکی تھاہ کا پتا نہیں
جا ملتا ہے - یہاں پانی ہی پانی نظر آتا ہے کہیں کنارہ نہیں دکھائی دیتا - اب ہم دریا کا
بہتیرا سراغ لگائیں مگر وہ کہیں نہیں لگنے کا - بس علم میں بھی جب ہم مادی اشیا کی تشریح کرتے ہیں اور
اُن کے سبب دریافت کرنے کے وسائل ہم رکھتے ہیں تو ہم خوش ہوتے ہیں لیکن جب علم
الٰہیات میں جاتے ہیں یا قدیمی باتوں کی تحقیقات کے درپے ہوتے ہیں اور خدا کی وہ باتیں
جن کا الہام خود اُسنے نہیں کیا تحقیق کرتے ہیں تو ایک ایسے سمندر میں جا پڑتے ہیں جو ایسا گہرا ہے

کہ اس کی تہ تک انسان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ اپنی ذہانت سے انسان کچھہ حصہ دریافت
کرتا ہے مگر زیادہ تر حصہ نامعلوم ہی رہتا ہے۔ دل اس کی جستجو میں حیران پریشان ہوتا ہے
اور ذہن کی آنکھیں اُسکے دیکھنے میں دھندلی اور خیرہ ہوتی ہیں۔

(۳) عالم اور معلوم کے درمیان جو علاقہ ہوتا ہے اُس کا نام علم ہے۔ اس میں تین باتیں ہوتی
ہیں ایک بالاستقلال یقین دوم کیا حق ہے سوم وجوہ اگر ایک شخص اقلیدس کے ثبوتوں میں شبہہ
کرے تو ہم یہ کہینگے کہ وہ نہیں جانتا کہ اقلیدس نے شکلوں کو ثابت کیا ہے اور اگر اُسکو ایسی بات کا یقین ہے کہ
جو حق نہیں ہے تو کہینگے کہ وہ جاننے میں غلطی کرتا ہے اگر دو آدمیوں میں سے ایک کو یہ یقین ہو کہ چاند میں
آبادی ہے اور دوسرے کو یہ یقین ہو کہ نہیں ہے تو گو ان دونو رایوں میں سے ایک سچ ہو مگر ہم یہ کہینگے کہ
دونو سچ نہیں جانتے اسلئے کہ اُنکے پاس کافی ثبوت نہیں ہے +

رفاہ خلائق کے مدعی

یہ رسم اور عادت پڑ گئی ہے کہ جو لوگ عوام کی اصلاح اور اُن کے امراض کی اطلاع
دیتے ہیں وہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے یہ اظہار کرتے ہیں کہ ہم سب تکالیف جو اپنے اوپر
گوارا کرتے ہیں وہ سب غیروں کے فائدہ کے لئے ہیں اور خود ہمارے اغراض اُن سے کچھہ متعلق
نہیں ہیں نہایت عمدہ جبے اور عمامے اور لباس [illegible] زیب تن فرما کر اپنی خودستائی میں
تر زبان اور [illegible] فروشی میں گرم نفس ہوتے ہیں کہ ہم کیا سستا سودا بیچ رہے ہیں کہ
اپنے جواہر مضامین کو کوڑیوں کے بدلہ میں دیدیتے ہیں مگر ہم ایسے [illegible] کو نہایت
ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کو عوام کو اطلاع دینی چاہیے کہ جو کچھہ ہم
کرتے ہیں اُس سے مطلب و غرض اپنی آسودگی ہے عوام کی خدمت گزاری سے روپیہ
پیدا کرنا ہمارا مقصد اعظم ہے۔ ہم جو راتوں کو اپنا دماغ دود چراغ سے پریشان کرتے ہیں
اُس سے بھی مطلب ہے کہ عوام سے روپیہ ہم کو ملے تا کہ باطمینان تمام خاص و عام کی خدمت
ہم کریں۔ ہماری ساری عمر علم میں بسر ہوئی ہے اسلئے ہم کچھہ اور پیشہ سوا قلم کے کچھہ اور

نہیں کر سکتے ہم اوروں کی خدمت اس طلب سے اس لئے کرتے ہیں وہ ہماری خدمت روپیہ کے لئے کریں۔

ہنسنا

یہ سمجھنا کہ ہنسی کیوں آتی ہے ہنسی کھیل نہیں ہے بلکہ ہنسنا بھی ایک فلسفی مسئلہ ایسا مشکل ہے
کہ آج تک کسی حکیم سے حل نہ ہوا کہ وہ بتاتا کہ ہنسی کیا چیز ہے معلوم نہیں کہ انسان کے دل میں وہ
کیا جذبہ ہے جس کا نام کوئی نہیں بتا سکتا جب اٹھتا ہے تو چہرہ کی ہیئت کو بدل دیتا ہے
جس کو ہم ہنسنا کہتے ہیں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ خوشی سے دل لگی اور چہل کی باتوں سے اپنی
فتحیابی اور کامیابی سے ہنسی آتی ہے مگر تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے کہ انسان کو
مصیبت اور ناخوشی میں بھی ہنسی آتی ہے جب ہم کوئی بات اوپری باتوں سے ہوتی ہے
اسی سبب سے شکر خند زہر خند کھسیانی ہنسی مشہور ہیں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز ہم کو ہنساتی ہے
اگر وہ باسی ہو جاتی ہے اور بار بار پیش آتی ہے تو اس پر ہنسی نہیں آتی۔ جس چیز کی ہم امید
نہیں کرتے۔ یا نئی چیز ہوتی ہے تو اس پر آدمی کو اکثر ہنسی آیا کرتی ہے خصوصاً ان لوگوں کو جو
زیادہ تر اپنے ہر کام کی تھوڑی خوبی پر تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں وہ اپنے ان کی
ہنسا کرتے ہیں جو ان کی امید ذرا بھی زیادہ اچھی ہو جاتی ہیں وہ اپنے کاہلی اور جہل کی
حماقتوں پر زیادہ ہنسا کرتے ہیں۔ آدمی کو جو دفعۃً اپنی قابلیت اور لیاقت کا خیال آتا ہے
تو ہنستا ہے اور اپنی لیاقت کو بہ مقابلہ دوسرے شخص کی نالائقی اور ناقابلیت کے دیکھ کر بھی
آدمی ہنستا ہے۔ آدمی کو چہل اور کھیل کی باتوں پر زیادہ ہنسی آتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ
اس حالت میں دوسرے آدمی کی بیہودگی ذہن پر جلد منتقل ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کی
بیہودگی اور نالائقی کا خیال دفعۃً اپنی لیاقت اور قابلیت کے ساتھ آجاتا ہے جب یہ
سب القصہ یا اس گروہ کے ساتھ جس کی ذلت میں ہم کو بھی شریک ہونا پڑتا ہے کوئی چہل اور کھیل
کرتا ہے تو ہنسی نہیں آتی پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہنسی کا سبب یہ ہے کہ ہم کو اپنی بزرگی
اور قابلیت کا خیال دفعۃً دوسرے کی نالائقی یا اپنی ہی گذشتہ نالائقی کے ساتھ آئے آدمی کو

اپنی پہلی حماقتوں پر جو بالفعل بدعزتی کا سبب نہوں ہنسی آیا کرتی ہے - انسان کو اپنی فضیلت پر
بہ ہنسی شدت سے آتی ہے - جو ہنسی بے رنج کی ہوتی ہے وہ اوروں کی بیہودگی اور نالائقی پر
ہوتی ہے ہم صحبت میں جب آدمی اکیلا ہنستا ہے تو اس سے اور لوگ کشیدہ خاطر ہو کر اپنی
تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کیوں ہنستا ہے - اور ونکی ذلت اور نالائقی پر اس سبب سے ہنستا ہے کہ
وہ ہم میں نہیں ہیں یا ہم ان سے بہتر ہیں - ایک سبک حرکت ہے یہ کچھ کام کی بات نہیں
کہ آدمی دوسرے کی نالایقی کو اپنی فتح و ظفر سمجھے اور اس پر فخر کرے -

(۲) اگرچہ باتیں گو چنداں آدمی کے دل کا عنوان ہوتا ہے تو ہم ہنسی سے آدمی کے دل کی بہت
باتیں دریافت کر سکتے ہیں پہلے ہم کو یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس کس بات پر اس کو ہنسی
آتی ہے - وہ کیونکر آسانی سے ہنسایا جا سکتا ہے وہ کونسی راہیں ہیں کہ پسندیدہ طور پر ہنسی
آنے کے اندر جا سکتی ہے ہنسنا ایک بڑا ظاہری علامت خوش دلی کی ہے - ہنسنے سے یہ معلوم
ہوگا کہ اس کی طبیعت کن کن باتوں سے خوش ہوتی ہے - اس سے اس کا مزاج معلوم ہوگا
ہنسنا تو فقط انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور حیوان تو اس سے محروم ہیں جو آدمی ذہین اور
ظریف اور گنبھیر ہوتے ہیں ان کا ہنسنا بناوٹ اور تکلف سے خالی نہیں ہوتا برخلاف بھولے اور
کم عقل آدمیوں کے کہ وہ بے تکلف بغیر کسی مکر و فریب کے قہقہے لگاتے ہیں قاعدہ ہے کہ خالی
ظرف میں سے بڑی آواز نکلتی ہے -

(۳) ہنسنے کے ادا اور انداز بہت سے ہیں شاعروں کے کلام کو دیکھئے تو معشوق کے تبسم اور
خندہ زیر لبی سے کیا کیا کام وہ لیتے ہیں کبھی اس سے عاشقوں کو قتل کرتے ہیں کبھی نہال
کرتے ہیں - کبھی اس کے کلک آوا سے عاشقوں کو تختہ جفا بناتے ہیں - کبھی لب سے گل تازہ بنا کے
فرحت افزا کبھی مسکرانے سے غضب ڈھاتے ہیں کبھی عاشقوں کی منظوری کی دلیل بناتے
ہیں کبھی کو معشوقوں کا وہ ناز و انداز بتاتے ہیں جن کے آگے خندہ گل و خندہ سحر و خندہ صبح شرمندہ
ہوتے ہیں جو چیز شگفتگی پیدا کرے وہ خندہ ہے غرض یہ ہنسی کا مضمون بھی شاعروں کے ہاتھ

خوب لگتا ہے کہ وہ سیکڑوں ادا سے اُس کو ادا کرتے ہیں۔

(۴) ہنسنا بھی انسان کی صحت کے حق میں نہایت مفید ہے اسلئے کہ ہنسی خوشی کی علامت ظاہری ہے پس جب آدمی ہنستا ہے تو اُسکی جسمانی اور روحانی دونو حرکتیں ہوتی ہیں جنسے اُس کی قوت ہاضمہ بڑھتی ہے خون کا دورہ ہوتا ہے پسینہ خوب آتا ہے غرض ہر عضو میں شگفتگی اور خندیدگی آجاتی ہے۔

(۵) آدمیوں کے ہنسنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی منہ ہی منہ میں ہنستا ہے کبھی دانت نہیں دکھاتا کوئی مسکراتا ہے خندہ زیرلبی کرتا ہے غرض تھوڑے ہی آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جنکو ہنسنا وہ آتا ہو جس کو ہنسنا کہتے ہیں بعض آدمی ہنستے ہیں وہ آواز نکالتے ہیں کہ اُس پر ہنسی آتی ہے جس شخص کو بالکل ہنسی نہ آئے وہ خداع اور سازشوں کے کام کرنے کی بڑی لیاقت رکھتا ہے کیونکہ خود اُس کی زندگی ہی خداع و فریب ہوتی ہے۔

(۶) جو شخص بات کہنے سے پہلے ہنستا ہے وہ شوخی اور حماقت کے درمیان رکھا جاتا ہے۔

(۷) ہنسنے کے سبب خوشی کی تحریک سے اکثر ہنسی آتی ہے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر آدمی کو ہنسی آتی ہے۔ زندہ دلی۔ چہل بازی۔ بیدردی۔ درد جسکی نوبت نالہ و فغاں تک پہونچے۔ گدگدی دیوانگی۔ خودستائی۔ فتحیابی کا خیال خواہ اپنا یا دوسروں کا۔ محبت دلی۔ فحش۔ ذلیل اور ممنوع چیزیں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جن سے آدمی کو ہنسی آتی ہے۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ اپنی عزت اور دوسرے کی ذلت کے ٹکرانے سے ہنسی کی آواز نکلتی ہے۔

(۸) ہنسنا کہاں چاہئے۔ اگر حالت اور وقت اور موقع کا مقتضا نہ ہو تو جن چیزوں پر کوئی آزاد طبع ہنسیگا وہ اُس کی کچھ کند ذہنی پر دلالت کرے گا۔

ذکاوت کا استعمال مثل تلوار چاہئے کہ اپنی حفاظت کے واسطے میان سے باہر نکلے جو دغاباز مکار ہیں ان کے صحیح صحیح حال بتلانے میں ذہانت کو کام میں لانا چاہئے۔ قوانین انصاف کا اقتضا یہ ہے کہ کسی آدمی کے نقص و عیب پر جبتک وہ خود اقرار کرے ہنسنا نہیں چاہئے۔ مگر ہاں جو اپنے

میوں کو منہ جانے تو اُسے ہنسنا چاہیئے۔ اگر کوئی ڈرپوک نامرد اپنی جوانمردی کی ڈینگ مارے یا کوئی
کم علم اپنے علم کی شیخی مارے تو اُنپر ہنسی آتی ہے اس سبب سے نہیں کہ نامردی اور ضعف فہم
قابل ہنسی کے ہیں بلکہ فقط اس سبب سے کہ جو نامرد ہے وہ اپنی لیاقت کو جوانمردوں کی برابر جانتا
ہے اور جو کم فہم ہے وہ عالی فہموں کا ہم پلہ اپنے تئیں سمجھتا ہے۔ پس جو شخص ان باتوں
کے سوا ہنسے وہ سنجیدہ اور متین آدمیوں کے گروہ سے خارج کرنے کے قابل ہے۔ ایک شخص کو بہت
ہنسنے کی عادت بہت تھی اُس نے کہا کوئی شخص اُسکی وجہ بتا سکتا ہے کہ میں زیادہ کیوں ہنستا ہوں
اسپر ایک لطیفہ سنج نے جواب دیا اگر ہنسنا مُنہ کے کھولنے اور پیٹ میں معدہ کے ہلانے کا نام ہو
تو بیشک حرکت ہر شخص اپنے اعضا کی کرسکتا ہے۔ چہرہ جس طرح چاہے بنا سکتا ہے۔ مگر ہنسنا اس کا نام
نہیں ہے۔ وہ ایک نہایت سنجیدگی اور متانت کا کام ہے۔ تم عمر بھر کبھی نہ ہنسے ہو گے اور نہ
شاید آیندہ ہنسو گے۔ تم کو تو ایک بدن ہلانے والی بیماری کا دورہ رہتا ہے۔

بعض آدمیوں کے جسم کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ اُن کو اپنی نیک مزاجی کے سبب سے بہت
باتوں پر ایسی ہنسی آتی ہے جیسے کہ اوروں کو بعض کی تحقیر پر۔

انسان کی مصیبتوں کا ذکر

سقراط کا کیا خوب مقولہ ہے کہ اگر انسانوں کی تمام مصیبتوں کو لا کر ایک جگہ ڈھیر لگایا جاتا اور پھر
سب کو کہا جاتا کہ تم برابر برابر حصے کر کے انہیں بانٹ لو تو جو شخص اپنے تئیں سب سے زیادہ مصیبت زدہ
سمجھتا تھا اُس کو اس تقسیم سے ایسی مصیبت ہاتھ لگتی کہ وہ اپنی پہلی مصیبت کو غنیمت گنتا۔
اس مضمون کو اور زیادہ لطف کے ساتھ ایک رومی شاعر نے یوں ادا کیا کہ اگر آدمیوں میں ہر ایک شخص
دوسرے شخص سے اپنی مصیبت کو بدل سکتا تو اوس مبادلہ سے اور زیادہ مصیبت میں وہ گرفتار ہو
اور پہلی مصیبت کو غنیمت گنتا۔

قبرستان

جب میں گورستان میں بڑے آدمیوں کی قبریں دیکھتا ہوں تو حسد کی ساری تحریکیں مجھ میں

مجھ میں مٹ جاتی ہیں اور جب حسینوں کے گوروں کے کتبے پڑھتا ہوں تو تمام میری نفسانی
آرزوئیں مرجاتی ہیں جب اولاد کی قبروں کی لوحوں پر پڑھتا ہوں کہ کیا کیا ماں باپوں نے اپنا
درد جاں گزا اُن میں ظاہر کیا ہے تو مارے رنج کے میرا کلیجہ کانپنے لگتا ہے مگر جب اُن کی
والدین کی مدفنوں کو دیکھتا تھا تو دل میں کہتا ہوں کہ ناحق اونھوں نے اپنی تئیں رنج و
الم میں گھلایا وہ تو چند روز میں اپنی اولاد کے پاس آ بسے جب میں بادشاہوں کی قبریں
اُن کے پاس دیکھتا ہوں جنھوں نے اُن کو معزول کیا تھا اور رقیبوں اور حریفوں کو بغل
ہوا پاس لیٹا دیکھتا ہوں جو ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور ان اولیا اور مقدس بزرگوں
پیوند زمین دیکھتا ہوں جنھوں نے اپنے اقوال اور رایوں کے اختلاف سے انسانوں میں باہم
قطع و فصل کا کیا بو رہا تھا تو مجھے حیرت ہوتی تھی کہ کیوں دنیا میں یہ سارے مباحثے مناظرے
گفتگوئیں لوگ کرتے ہیں کسی قبر پر مرنے کی تاریخ کل کی اور کسی پر چھ سو برس کی لکھی
ہوئی تھی جس سے میرے دل میں خیال آتا تھا کہ قیامت کے دن ہم سب ہم عصر ہو کر
آپس میں جمع ہوں گے۔+

(۲) ہر قوم کا قبرستان اپنی عالم خاموشی میں اس قوم کی خصائل کو بتلاتا ہے کہ وہ اپنی
قوم کے بزرگوں کو کس طرح یادگار رکھتے ہیں کیسی کیسی عمارتیں اُن کے مقبروں کی بناتے
ہیں کیسے کیسے کتابے اور لوحیں لگاتے ہیں قبرستان کو بہت آدمی دیکھ کر بڑے غمزدہ
اور اندوہناک ہوتے ہیں مگر جو عاقل ہیں وہ اُس سے عبرت کا سبق لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی
حالت ایسی ہے کہ جس میں امیر غریب۔ گدا بادشاہ۔ جاہل عالم۔ عاقل احمق سب مٹی میں مل کر
برابر ہو جاتے ہیں وہ قبریں کھدتی دیکھتے ہیں کہ اُن میں مردوں کی ہڈیاں نکلتی ہیں مگر یہ
نہیں پہچانی جاتیں کہ وہ کس کی ہیں بعض مزاروں کی لوحوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایسی زبانوں
میں لکھی ہیں کہ ہزار میں ایک بھی اُن کو پڑھ کر نہیں سمجھ سکتا کہ کیا ہے جیسے کہ مسلمان اپنی
قبروں پر قرآن شریف کی آیتیں کندہ کراتے ہیں جن کو سیکڑوں مسلمانوں میں شاید ایک دو

سمجھتا ہوگا کہ کیا لکھا ہے۔ بعض اشعار جو قبر کی لوح پر کندہ ہوتے ہیں اُن میں ایسا مبالغہ ہوتا ہے کہ اگر مردہ قبر میں سے اُٹھ کر پڑھے تو سخت نادم ہو اور کہے جو اشعار لوح پر میری قبر وابستہ ہیں وہ مجھ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔ بعض بے کمالوں کی قبروں پر لوحیں ایسی لکھی ہوئی ہیں کہ مردوں کو صاحبِ کمال بتلاتی ہیں اور بعض صاحبِ کمالوں کی قبریں بے لوح پڑی ہیں۔ غرض قبرستان بھی عاقل کے واسطے بڑی دلچسپ عبرت کی کتاب مطالعہ کے لئے ہے

مرزا کا خواب

بغداد میں مرزا ایک بڑا نیک مرد اور متقی رہتا تھا۔ ہر چاند کی پانچویں تاریخ کو وہ تمام کاروبار چھوڑ کر سارے دن اپنے باپ دادا کے طریقے کے موافق عبادت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس تاریخ کی صبح کو نہا دھو کر اُس نے نماز پڑھی اور بغداد کے بلند پہاڑوں پر چڑھ گیا کہ وہاں نماز و عبادت میں سارا دن بسر کرے۔ یہاں ہوا کھا رہا تھا کہ اُسکے دل میں انسان کی زندگی کی ناپائداری کے خیالات پیہم آنے لگے اور یہ معلوم ہونے لگا کہ آدمی اصل سایہ ہے اور حیات اُسکی خواب ہے۔ ان خیالات سے دل بہلا رہا تھا کہ قریب کے پہاڑ کی چوٹی پر جو نظر پڑی تو ایک آدمی نظر آیا کہ گڈریہ کا لباس پہنے ہوئے تھا اور ہاتھ میں اُسکے نے تھی جب مرزا نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ نے بجانے لگا۔ اُس نے سے وہ صدا اور جان فزا نکلتی تھی کہ مرزا نے کبھی سُنی نہ تھی اُس کی آواز اور سب آوازوں سے انوکھی تھی اُسکے سُر اور دُھن بھی نرالی تھیں اُس کو سُن کر مرزا نے جانا کہ بہشت میں جب نیک آدمیوں کی روحیں داخل ہوتی ہیں تو آسمان سے فرشتے ان کے استقبال کے لئے اُترتے ہیں اور ایسے باجے بجاتے ہیں کہ جن کی صوت موت کے رنجوں کو جو انہوں نے اُٹھائے تھے بھلا دیتی ہے۔ پس یہ وہی روح پرور آواز ہے۔

مرزا یہ بھی سُن چکا تھا کہ اس پہاڑ پر ایک جن نے نواز رہتا ہے جو یہاں آتا ہے وہ بانسلی کے نغمے سنتا ہے۔ مگر یہ اب تک نہیں سُنا کہ اُس نے نواز کی شکل کسی نے دیکھی ہو جب نہ اسکے دیکھے

اس آواز نے یہ شوق پیدا کیا کہ نواز کی باتوں سے فیضیاب ہو۔ مرزا کو حیرت زدہ دیکھ کر اس
نے نواز نے بھی انگلی سے اشارہ کرکے اپنے پاس بلایا۔ مرزا اُسکے پاس نہایت ادب اور
شوق سے گیا اور جاتے ہی اُسکے پاؤں پر سر رکھ دیا اور رونے لگا۔ جن نے شفقت کر کے
اسکا سر پاؤں پر سے اپنے ہاتھ سے اُٹھایا اور مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مرزا میں نے
تیری ساری باتیں جو تو اپنے دل میں کرتا تھا سُن لیں — مرزا کو پہاڑ کی چوٹی پر ایک
جگہ جن لے گیا اور کنگرہ کوہ پر بٹھا دیا۔ اور کہا کہ مشرق کی طرف دیکھ اور جو کچھ نظر آئے وہ مجھ سے کہہ
مرزا نے غور سے دیکھا تو ایک گھاٹی پر نشیب دیکھی کہ اُس میں بڑے زور شور سے پانی کی سیل رواں
ہے۔ اُس پر جن نے کہا کہ یہ جو گھاٹی دیکھتا ہے وہ غم کی گھاٹی ہے۔ اور یہ پانی کی سیل
ابد کی بڑی سیل کا ایک حصہ ہے۔ پھر مرزا نے اُس سے پوچھا یہ کیا وجہ ہے کہ میں جو اس سیل کے
اول و آخر حصہ کو دیکھتا ہوں تو نہایت گہری گہر سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم
جن نے کہا کہ جو حصہ تو دیکھتا ہے وہ ابد کا ایک حصہ ہے جسکو ہم وقت کہتے ہیں جس کا پیمانہ
آفتاب ہے۔ وہی اس عالم کی ابتدا اور انتہا ہے۔ اب بتا کہ اس سمندر کے دونوں سروں پر
جو تاریکی چھائی ہوئی ہے اُس کے اندر کیا دیکھتا ہے۔ مرزا نے کہا کہ میں اُس کے اندر
ایک پل دیکھتا ہوں جو سیل آب کے وسط میں بنا ہوا ہے۔ جن نے کہا کہ یہ پل انسان
کی زندگی ہے۔ اب ذرا اور غور کر کے دیکھ۔ مرزا نے اُسے خوب گھور کے دیکھا کہ
کہ اس پل کی ستر محرابیں ہیں اور اُن کے ساتھ کچھ ٹوٹی پھوٹی اور محرابیں بھی ہیں یہ دونوں
طرح کی محرابیں مل کر سو کے قریب ہوتی ہیں مرزا محرابیں گن ہی رہا تھا کہ جن نے اُس سے
کہا کہ پہلے اس پل کی ہزار محرابیں تھیں مگر ایک طوفان عظیم میں اس کا بڑا حصہ بہ گیا اور
اُس کا یہ شکستہ حصہ جو تو دیکھ رہا ہے باقی ہے۔ مرزا کچھ اور بھی بتا جو تم نے دیکھا ہو۔ مرزا نے
کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ پل پر سے بہت سے آدمی عبور کرتے ہیں اور اُس کے دونوں سروں پر
ایک ابر سیاہ چھا رہا ہے اور لوگ پل پر چل رہے ہیں اُن میں سے بعض سیل آب میں جو

پل کے نیچے چل رہی ہے گر پڑتے ہیں اور جب اور غور کی نگاہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سقف پل میں بہت سے دریچے ہیں جسکا پاؤں اِس دریچے پر آجاتا ہے وہ سیل میں گر کر فنا ہوجاتا ہے یہ پوشیدہ دریچے پل کے اُس سر پر بہت تھے۔ آدمیوں کا ازدحام بادلوں کی تاریکی سے نکل کر پل پر قدم رکھتا تھا تو ان میں سے بہت سے اِن دریچوں پر قدم رکھ کے گر پڑتے یہ دریچے بیچ میں کم تھے مگر پھر آخر سرے پر وہاں زیادہ ہوگئے تھے جہاں دروں کی محرابیں ثابت تھیں بہت تھوڑی راہ رو ایسے تھے جو آپ آگے دروں کی ٹوٹی محرابوں پر چلتے تھے جن کو ہر وقت خوف لگا رہتا تھا کہ اب گرے اب گرے آخر کو سب اِس لمبی رہ گذر کو طے کر کے تھک گئے اور گر پڑے۔

بس یہ سماں دیکھ کر مرزا کے دل میں خیالات کا جوش اُٹھا اور بہت سے مضامین دل میں آئے مرزا کا دل غم و اندوہ سے بھر گیا کہ بہت سے آدمی اپنی خوشی اور مسرت کی حالت میں دفعۃً گرتے ہیں اور ہر چند سہارے کی تلاش کرتے ہیں کہ اُس کو پکڑ کر رک جائیں مگر کوئی نہیں ملتا اور وہ فنا ہوجاتے ہیں بعضے آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور نہایت غور و تامل کرتے تھے مگر وہ ڈوبتے ہی نظر سے غائب ہوجاتے تھے۔ ایک گروہ کثیر ایسا تھا کہ وہ چھلاووں جو اپنی آنکھوں کے سامنے چمکتی ہوئی دیکھتے تھے اُن کی طرف دوڑتے تھے۔ مگر جیسے ہی اپنے نزدیک اُن کے پاس پہونچ جاتے تھے۔ ان کا قدم پھسلتا تھا اور وہ نیچے گر کر فنا ہوجاتے تھے جب جن نے دیکھا کہ مرزا کو یہ غم انگیز حالت دیکھتے ہوئے دیر ہوگئی ہے تو اُس نے اِس سے کہا کہ تم کو پل دیکھتے ہوئے دیر ہوگئی ہے اب تم نگاہ کو اس سے ہٹا لو اور کچھ اور تماشا دیکھ کر مجھ سے بیان کرو۔ مرزا نے جو نظر اُٹھائی تو بہت سے پرندوں کی ٹکڑیاں پل کے اوپر اڑ رہی تھیں اور بار بار اُس پر بیٹھتی تھیں اُن میں کرگس۔ گدھ۔ زاغ۔ زغن اور بہت سی قسم کے پرند تھے اور بعض پردار چھوٹے بچے کے ہاتھ جیسے اڈے پر بیٹھتے ہیں بیٹھے ہوئے تھے جن نے یہ کہا کہ یہ حسد۔ حرص و ہوس۔ باطل پرستی۔ مایوسی عشق۔ اور اسی قسم کے اور اخلاق

بہ ہیں جو جو مرنے سے پہلے آدمی کو نوچ نوچ کر کھانا چاہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر مرزا نے ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ خدا نے انسان کو کیوں بیفائدہ بنایا۔ زندگی میں یہ غم و اندوہ موت کے بعد وہ تکلیف و رنج۔ اُس کی جان کے پیچھے ہزاروں بلائیں لگی ہوئی ہیں۔ ع

آسودگی حرفیست نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے + یہ حال زار مرزا دیکھ کر جن کو بھی رحم آیا۔ اور کہا کہ اب پل کی طرف نظر نہ کر۔ یہ تو انسان کی ہستی کی اول منزل ہے جو اُس کو ابد کی طرف لے جاتی ہے۔ اب اس تاریک گھر کی طرف دیکھ جہاں سیل میں قومیں ڈوبی پڑی ہیں مرزا نے حکم کے موافق وہاں نظر لگائی۔ معلوم نہیں کہ جن نے اپنی کرامت سے مرزا کی قوت باصرہ کو زور دیدیا یا گھر کو پراگندہ کردیا غرض وہ گھر مرزا کی نگاہ کو مانع نہ ہوئی مرزا نے دیکھا کہ وادی کا دوسرا سر کشادہ ہے اور وہاں ایک بحر ذخار رواں ہے اور اُس کے اندر ایک ہیرے کا پہاڑ ہے جو سمندر کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے اُس کے ایک جانب میں ایسی کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا مگر دوسری جانب مطلع صاف تھا سمندر شفاف تھا جسمیں بے شمار جزیرے تھے جسمیں پھول اور شجر باردار لگے تھے اور اُن کے گرد چھوٹی چھوٹی نہریں چمک رہی تھیں۔ پھر اُن جزیروں میں آدمی تھے جو امیرانہ لباس پر تکلف پہنے تھے۔ سروں پر پھولوں کے سہرے لٹکتے تھے۔ کوئی کیاریوں میں گلگشت کرتا تھا۔ کوئی ندی کے کنارہ پر سوتا تھا۔ کوئی پھولوں کی سیج لگائے تھا۔ کوئی جانوروں کی نغمہ سرائی سنتا تھا۔ پانی جھرنوں میں جھرجھرا تھا۔ آدمی سُریلی آوازوں سے گاتے تھے۔ اور باجے بجاتے تھے جب فضاء دل کشا اور روح افزا دیکھا تو مرزا کا دل باغ باغ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ کاش میرے بازو عقاب کے سے ہو جائیں کہ میں اُڑ کر ان جزائر میں چلا جاؤں۔ مگر جن نے کہا کہ ان جزائر میں سوا موت کے دروازہ کے جانے کے کوئی اور رستہ نہیں ہے تم نے پل پر ہر لحظہ اس دروازہ کو کھلا ہوا دیکھا ہوگا۔ یہ سرسبز و شاداب جزیرے جن سے سارا سمندر پٹا پڑا ہے اور تیری نظر کے سامنے

جہاں تک نگاہ جاتی ہے نظر آتے ہیں وہ تعداد میں سمندر کے ریتے ذروں سے بھی زیادہ شمار ہیں
ہیں۔ اور پھر اُن کے پیچھے جن کو تو دیکھ رہا ہے اور کروڑوں جزیرے ہیں جنکو تو دیکھ نہ خیال
کر سکتا ہے وہ اہل خیر کے مسکن موت کے بعد ہیں وہ اُن کو اُن کی نیکی کے موافق ملتے ہیں
جس قسم کی اور جیسی اُن کی نیکیاں ہوتی ہیں اُتنی ہی اُنکو ان جزیروں کی نعمتیں ملتی ہیں
وہ مختلف قسم کی ہوتی ہیں اور ان لوگوں کے مذاق کے موافق ہوتی ہیں جو اُن میں
رہتے ہیں۔ ہر ایک جزیرہ ایک بہشت ہے جو اُس کے رہنے والوں کی طبیعت کے موافق مرتب
ہوتا ہے۔ یہ مساکن بہشت ایسے نہیں ہیں کہ آدمی اُن کو نہ حاصل کرے۔ اس پل کا رستہ
کیا بُرا ہے جس پر چل کر آدمی کو یہ نعمتیں ملیں۔ موت میں کیا خوف ہے جو تجھے ایسی بہشت میں
لے جائے۔ زندگی میں کیا مصیبت ہے جو ایسی راحت جاوداں دلائے۔ پس تو اپنے
اس خیال کو بھلا دے کہ خدا نے انسان کو کیوں بیکار پیدا کیا ہے۔ مرزا ان جزائر کے
دیکھنے سے ایسا خوش ہوا کہ وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اب اُس نے جن سے بہت عجز و نیاز
سے کہا کہ وہ راز کی چیزیں بتاؤ جو اس پہاڑ کے اُس طرف ہیں جہاں ظلمات
ہی ظلمات ہیں۔ جن نے اس سوال کا جواب کچھہ نہیں دیا تو پھر مرزا نے دوبارہ سوال کیا
تو اُسے معلوم ہوا کہ جن اس پاس سے چلا گیا۔ اب جو وہ دیکھتا ہے نہ وہ سیل ہے
نہ پل ہے نہ وہ جزائر فرحت افزا ہیں۔ غرض وہاں سوا بغداد کے کہسار کے کچھہ اور نہیں ہے
جس پر بیل بھیڑیں۔ اونٹ چر رہے ہیں ٭

خوشامدی و خوشامد

خوشامدی فارسی لفظ ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ دوسرے آدمی کی ایسی تعریف کرے کہ وہ
خوش ہو جائے خوشامدی وہ شخص جو خوشامد کرے۔ مگر جس انگریزی لفظ کا یہ ترجمہ
کیا جاتا ہے اُس کے حقیقی معنی بے وجہ قبول کرنے والے کے ہیں اور مجازی معنی جھوٹی
تعریف کرنے والے کے۔ خوشامد میں یہی ہوتا ہے کہ خوشامدی دوسرے آدمی کی سب باتوں میں

اسکا مدعا کرتا ہے اور کسی بات سے انکار نہیں کرتا۔ یا جھوٹی تعریف کرتا ہے۔

(۱) خوشامدی سب مکاروں کا سردار ہوتا ہے اس سے ہشیار ہو۔ وہ تجھے احمق و ناقص بناتا ہے۔ وہ تیرے نقصوں کو کامل کرتا ہے۔ تمام برائیوں کے کرنے پر تجھے ہمت دلاتا ہے کسی بات میں تیری اصلاح نہیں کرتا۔ وہ مکر و فریب سے تیری بدکاریوں پر وہ رنگ چڑھاتا ہے کہ نیکی و بدی کی تمیز میں تیری عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ انسان سب سے زیادہ آپ اپنی خوشامد کرتا ہے اور اس سے اپنا دل خوش کرتا ہے۔ جب اوروں کی خوشامد کا اس پر اضافہ ہوتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوشامدیوں کے ساتھ جو حقیقت میں ہماری دشمن ہیں وہ محبت و مہربانی کرنے لگتا ہے اور یہی ہماری محبت ہم کو بتلاتی ہے کہ ان خوشامدیوں پر مہربانی کرنا حق اور انصاف ہے جو ہماری باتوں کو ایسا اچھا سمجھتے ہیں اور ان کی اتنی قدر کرتے ہیں کبھی آدمی کو اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنی نہیں چاہیے اس سے آدمی احمق شیخی باز معلوم ہوتا ہے جب ایماندار اور راست باز تمھاری وہ تعریف کریں جسکے تم مستحق ہو اور وہ تمکو تمھاری خطائیں بھی بتلائیں تو تم خوش ہو خوشامدیوں میں کوئی نیکی نہیں ہوتی۔ کوئی دنیا میں ان کی برابر کمینہ نہیں ہوتا۔ مگر وہ شخص جو خوشامد پسند ہوتا ہے۔ خوشامد کا شوق کمینہ اور نالائق سببوں سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ خوشامد کرنے والا کمینہ پاجی ہوتا ہے ایسا ہی جو خوشامد کی خواہش رکھتا ہے وہ پاجی کمینہ ہوتا ہے خوشامدی ہم میں وہ اوصاف بتاتا ہے جو درحقیقت ہم میں نہیں ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہم میں معلوم ہوں اس شوق کے سبب سے اپنے تئیں خوشامدیوں کے حوالہ کر دیتے ہیں اور ان کی باتیں دل کو بھاتی ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ خوشامدی ایک ایسا جانور ہے کہ ہنس ہنس کر ہم کو کاٹتا ہے۔ بقول حضرت یشعیاہ نبی کے کہ جو تمھاری تعریف کرتے ہیں وہ تمکو خراب کرتے ہیں اور تمھارے قدموں کے آگے کا رستہ بگاڑتے ہیں وہ جب اوروں کے اوصاف تم میں لگاتے ہیں تو وہ ایسے ہی ناموزوں ہوتے ہیں جیسے دوسروں کے کپڑے

اور دشمنی کی تمیز بھی خوب شکر کی طرح مل جاتی ہیں۔

(۴) اچھی تعریف کرنی بہ نسبت جھوٹی تعریف خوشامد کرنے کے بہت آسان ہے۔

(۵) جب ایک شخص سنے یہ کہا جائے کہ تیری طبیعت خوشامد پسند نہیں ہے اور وہ کہے کہ ہاں یہ بات مجھ میں ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بڑا ہی خوشامد پسند ہے۔ خوشامد ایک چھچھورے پن کا مجموعہ ہے جسکا رواج ہم میں ہو گیا ہے۔ وہ ایک ہلکا سکہ ہے جو ہم میں چلتا ہے۔ ایک چکنی اور بہرک دار تعریف ہے۔ خوشامد سے بدتر کوئی بداخلاقی نہیں اگر کسی تمام گروہ کی تعریف کی جاتی ہے تو کوئی خوش نہیں ہوتا۔ اور اُن میں سے ایک دو کی خوشامد کرو تو باقی سب کو ناگوار ہوتی ہے۔ خوشامد کی چکنی چپڑی باتیں بیوقوف کیا کرتے ہیں یا شریر جب اُن کو کسی کچھ کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سُرت آبادی کے لئے زیور و لباس کی ضرورت نہیں +

(۶) خوشامد بھی ایک عالم پر فرمانروا ہے۔ اُسکو گالیاں بھی دیتے ہیں اور اُسکی خوشامد بھی کرتے ہیں اُس پر تبرا بھی بھیجتے ہیں اُسے تولا بھی کرتے ہیں۔ آدمی کے دل میں اپنی تعریف [لطف بھی] ہوتی ہے۔ خوشامد اُسکی گونج کو سینہ کے اندر بڑھا کر جادو کا سا اثر کرتی ہے۔ یہ خوشامد ہی کا کام ہے کہ تیوری پر سے بل کو اُتار دے۔ چہرہ پر سے غصہ کو مٹا دے۔ خاموش غضب کو بولا دے۔ ظالم کے ہتیار اتروا دے۔ باپ کے عتاب کو دور کر دے۔ کنجوس منحوس کی جیب سے پیسا دلوا دے۔ جہاں جو کام سونا نہ کر سکے وہ یہ کر کے دکھا دے۔ خوشامد کی آنکھوں میں سے دیکھ کر آدمی وہ کام نہیں کر سکتا جو اُسکے نرم اور ملائم الفاظ کر سکتے ہیں اُسکی راگ میں آدمی کو وہ مزہ آتا ہے کہ نہ کسی خوش گلو کے گانے میں نہ کسی باجی کی خوش آیند آواز میں جیسا وہ دل کو پگھلا کر نرم کر دیتی ہے ایسی کوئی اور چیز نہیں کرتی +

(۷) خوشامد ایک منقش ہتیار ہے جو دیکھنے کے سوا کسی کام کا نہیں۔ خوشامد شریروں کی ماں ہے۔ نیک کاموں کے لئے زہر ہے۔ عاقبت بدبین نیکی کی زمین کے اندر قاتل ہاتھوں سے

اُسکے زہریلے بیج بوئے جاتے ہیں اور غرور انکو نشو ونما دیکر امیدوں کے سبز باغ دکھا دینے اور بہار زندگی کے کھو دینے کے اناج پیدا کرتا ہے +

(۸) خوشامد کی قیمت میں جب عقل و نیکی دی جاتی ہے تو وہ مول لی جاتی ہے - یہ خریداری کیسی ہلکی ہے کہ ایسی بیش بہا چیزوں کے عوض میں ناچیز چیز خریدی جاتی ہے - پس دعا مانگو کہ درندے حیوانوں میں ظالم سے اور اہلی جانوروں میں خوشامدی سے خدا تعالے بچائے - ہمارے پیچھے خوشامد کی بیماری خدا نہ لگائے - وہ بڑا مہلک مرض نفسانی ہے وہ ایک ایسا مادہ فاسد پیدا کر دیتا ہے جو ہر بدی کی وبا کو پھیلاتا ہے +

(۹) خوشامد کی اصل -

ارباب بصیرت خیال کرتے ہیں کہ ہر ایک ملک میں ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ سب آدمی وہاں برابر تھے اُن میں کوئی کمتر تھا نہ برتر - نہ اُن میں کوئی درجہ و مرتبہ رکھتا تھا نہ کوئی دولت و مال کے ساتھ مخصوص تھا - پس جب یہ حالت ہو تو اس امر کا یقین کرنا قرین عقل ہے کہ ہر شخص سے محبت اتنی ہوگی جتنی وہ اپنی محنت - لیاقت - ہنر سے ناپحتاج ضروریہ بہم پہنچاتا ہوگا - پس ایسی حالت میں نہ نفرت نہ رغبت تلون کے ساتھ تھی - ہاں مہربانی فائدوں کا معاوضہ تھا - لیکن جب قوت حکمت - دانش - دولت - مال و زندگی داخل ہوئی - تو بہت سے آدمی چند آدمیوں کی خدمت کے لئے اور اُن کے اسباب آسائش کے بہم پہنچانے کے واسطے مجبور ہوئے - پس جب دولت و مال ضرورتوں سے زیادہ پاس ہونے لگا تو اُنھوں نے اپنے فضول مال کو اپنے عیش و نشاط میں صرف کرنا شروع کیا - پس جو لوگ کسی خدمت کے سبب سے اُن کے دوست نہ بن سکے تو اُنھوں نے اپنے مطلب حاصل کرنیکے واسطے خوشامد کی باتیں پیدا کیں کہ جنسے وہ اُن کے درباروں میں داخل ہو کر اُن کی خوشی زیادہ کریں - انسان کی آرزوئیں جتنی ہوتی ہیں وہ سب نہیں حاصل ہوتیں انسان کے تصور کا عالم ایسا فراخ ہے کہ جو اُس میں سوچتا ہے وہ سب حاصل نہیں ہوتا

اُسکو معلوم ہوتی تو اُسکے چہرہ پر آثار وملال نمایاں ہوتے ہیں وہ اپنی نزاکت کے سبب
اور یوں بڑی بھی ایک شخص جو اس کا خیر خواہ نہ تھا یہ کہتا تھا کہ اُسکو ایک مرض دماغی ایسا ہے
کہ اُسکو شکلیں نظر آتی ہیں ہر ایک بات کے سننے سے وہ چونک چونک پڑتی ہے۔ اور چہرہ کا رنگ
بدل جاتا ہے۔ اُسکی برابر کوئی دائم المریض عورت نہیں دیکھی۔ طرفۃ العین میں اُس کی
حالتیں بدلتی رہتی ہیں اُسکے جسم کی تر و تازگی دم بھر میں پژمردہ ہو جاتی ہے چہرہ پر
ایک رنگ آتا ہے دوسرا جاتا ہے۔ ابھی خاصی بھلی چنگی بیٹھی تھی کہ دفعتہ مُردہ کی صورت
ہو گئی میں اس تغیر حالت کی سیر دیکھ رہا تھا کہ اُسکے پاؤں کے پاس دو سکتر سی بیٹھے نظر
آئے جنکے پاس دنیا کی چاروں طرف سے چٹھیاں آتی تھیں اور وہ اُس نازنین کو پڑھ پڑھ
کے سناتے تھے۔ کسی چٹھی کے سننے سے اُسکے چہرہ پر اُداسی چھا جاتی تھی۔ جان پر بن جاتی
تھی۔ پھر کسی دوسری چٹھی کے سننے سے اُسکی جان میں جان آجاتی تھی۔ تخت کے پیچھے
ایک انبار روپیوں کی تھیلیوں کا چھت تک لگا ہوا تھا۔ دائیں بائیں سونے کی
اینٹوں کے مینار چنے ہوئے تھے۔ میں اس نازنین کی یہ صفت سنکے متعجب ہوا کہ
جس چیز کو چھوتی ہے سونا بنا دیتی ہے گویا کہ سنگ پارس ہے۔ قاعدہ ہے کہ خواب کے اندر کچھ
سر گرانی بھی ہوا کرتی ہے وہ مجھے بھی ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کھٹ سے دروازہ
کھلا اور کمرہ میں ہل چل مچی۔ چھ مہیب دیو دو دو کی صف باندھے ہوئے ناچتے ہوئے
داخل ہوئے۔ ان کی دہشت ناک شکل میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی
گو اُن کی ظاہری صورت سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ان میں اختلاط دلی ہوگا مگر دو دو
ساتھ ساتھ ناچتے تھے۔ ایک صف میں ظلم و بد عملی۔ دوسری صف میں تعصب و
الحاد۔ تیسری صف میں سلطنت جمہوری اور ایک نوجوان بائیس برس کا جسکا نام میں
نہیں جانتا۔ اُسکے ہاتھ میں تلوار تھی جو قانون بندوبست پر وہ ناچنے میں بار بار چلاتا تھا
اور ایک شہر کا باشندہ مجھسے کہتا تھا کہ اُس ایک ہاتھ میں اسفنج تھا جس سے وہ قومی قرض کو

صاف رہنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ وہ ہیبت ناک صورتیں تھیں کہ اگر ایک بھی اس پاکیزہ نازنین
دکھائی دیتی تو دم نکل جاتا۔ اب یہ تو ایک گروہ تھا۔ ان کے دیکھتے ہی غش آگیا۔ رخسار و لب
کے گل زرد ہوگئے۔ روح فنا ہوئی۔ اسکے دم نکلتے ہی ایک عجیب انقلاب ہوا کہ وہ روپیوں
کی تھیلیوں کا جو ایک پہاڑ لگا ہوا تھا اُس کا بہت سا حصہ اڑ گیا۔ کوئی دسواں حصہ باقی
رہا ہوگا۔ مگر تھیلیاں ہوا سے نہ گریں اور بدستور جگہ گھیرے رہیں سونے کے مینار کاغذوں
کے ڈھیر ہوگئے +

یہ تباہ حال دیکھ کر میں چیخیں مارنے لگا تو سماں بدل گیا اور وہ سارا سامان میری
آنکھوں سے غائب ہوگیا۔ پھر ایک اور تماشا نظر آنے لگا کہ پریوں کا ناچ ہو رہا ہے
اُن میں ایک آزادی تھی جسکے دائیں ہاتھ کی طرف بادشاہی تھی۔ دوسری فطرِ اعتدال تھا
جسکے ساتھ مذہب تھا۔ اور ایک شخص تھا جسکو میں نہیں جانتا اُسکے ساتھ گریٹ برطانیہ تھی
اُن کے آتے ہی اس باکرہ نازنین میں پھر جان آگئی۔ تھیلیوں کا انبار اور سونے کے مینار
بدستور ہوگئے۔ یہ دیکھ کر ایسا خوشی کا جوش مجھ میں اٹھا کہ آنکھ کھل گئی۔ مجھے افسوس ہوا
کہ میں کیوں جاگ اٹھا۔ کاش پھر سو جاؤں اور یہ خواب دیکھوں +

دنیا میں راست بازی و دیانت پر ذہانت و ذکاوت کو ترجیح دی جاتی ہے

سورج کے نیچے دنیا میں کوئی برائی اُسکی برابر نہیں ہو کہ آدمی اپنی سمجھ کو بری طرح کام میں
لائے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا میں اس برائی کی برابر کسی دوسری برائی کا رواج نہیں ہے۔ میں نے
عورت مرد اور سب صفت کے آدمیوں کو خوب دیکھا کہ ان میں کوئی مشکل سے ایسا آدمی
ملے گا کہ وہ اپنی عقل و ذہانت کی شہرت سے اپنی صداقت و دیانت کی شہرت کو بھلا جانتا ہے
یہی اصل بہت سی برائیوں کی انسان میں ہے کہ وہ عاقل ہونے کو بہ نسبت راست باز ہونے
کے اور ذکی ہونے کو بہ نسبت نیک کردار ہونے کے زیادہ چاہتے ہیں۔ ذہین آدمیوں کی

تصنیفات اور ان کی اندھی تقلید سے آدمیوں کے دلوں پر یہ جھوٹے نقش منقش ہوئے ہیں
بعض صاحب کمال اور پرلے درجے کے ذہین ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کل اپنے واقعات
متعلقہ پر ایسی نازک خیالیاں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بدنامی اور سزا کے سزاوار ہوتے ہیں
وہ اوروں کو بھی ایسی نصیحتیں کرتے ہیں جیسی کہ خود ان کو دل لگنے کی ہیں جس اُن کی
عقل کی تیز دہار کو کند کر دیا ہے۔ وہ بُرائی اور حماقت کو دیکھ کر ایسے پریشان خاطر ہوتے ہیں
جیسے کہ عبادت اور کودن پن کو۔ ایک شخص کی رائے ہے کہ ایسے ذہین آدمیوں کو پھانسی
دینی چاہیے کہ جنکی ذہانت سے بُرائی پھیلے۔ کوئی شیطان اُن کی برابر نہیں اُن کا حال
مفلوج کا سا ہے کہ آدھا جسم اُن کا مردہ ہے۔ اگرچہ وہ اپنی دولت۔ جاہ۔ تصنیف سے نفع
اٹھاتے ہیں مگر وہ نیک نیتی محبت دوستی عصمت کے ثمروں سے ناآشنا ہیں۔ یہ لوگ اس
فقیر سے بدتر ہیں جسنے اپنی ٹانگ اسلئے توڑ ڈالی تھی کہ بھیک میں فرق نہ پڑے کھانے ملیں
دنیا میں رہنے کا لطف یہ ہے کہ سب آدمیوں کے ساتھ چلے اور ہر ایک آدمی ایسا بڑا کام
کرے جس سے سب کا بھلا ہو۔ گو کوئی کام بے برائی سے کیا جائے مگر وہ بمقتضائے
عقل اور بفحوائے شرع و شرافت ہو۔ بغیر اسکے آدمی کی چال درست نہیں۔ وہ چلتا نہیں
پھد کتا ہے عقل چاہیے کہ ہوا و نفسانی و جذبات روحانی کو منضبط کرے اور اُن پر
فرمانروا ہو۔ مگر ہم اسکے برعکس محکوم دیکھتے ہیں کچھ ضرور نہیں کہ جو عاقل ہو وہ نیک افعال
بھی ہو۔ یہ حال کچھ خاص آدمیوں کا نہیں ہے بلکہ وہ تو کنوے کی جنا ہے جس میں سب
مبتلا ہیں یہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ زمانہ جتنا خلیق ہوتا ہے اُتنا ہی نیکی سے خالی ہوتا ہے
اس کی وجہ ہے کہ انسان پر یہ حماقت چھائی ہوئی ہے کہ ذکاوت و علم کو فی نفسہ
لیاقت جانتے ہیں اور یہ کچھ نہیں دیکھتے کہ وہ کن کاموں میں کام آتی ہے۔ یہ ایک
دستور پڑ گیا ہے کہ ہم یہ زیادہ دیکھتے ہیں کہ کوئی کیا کرتا ہے۔ بہ نسبت اسکے کہ وہ کس طرح
کرتا ہے۔ یہ بڑی شرم اور ذلت اور ڈوب مرنے کی جگہ ہے کہ آدمی اپنی عمدہ ذکاوت

لیاقت۔ قابلیت کو اس طرح کام میں لائے کہ اور آدمیوں کو ان کی برائیوں اور بدکاریوں میں خوش کرے۔ نیچر عقل آدمی کو ایک طرف اپنی راہ چلنے کا حکم دیتی ہے۔ جذبہ مزاج دوسری طرف اپنے طریقہ پر۔ یہ پچھلا طریقہ ایسا بے حد و نہایت ہے کہ کسی طرف ختم نہیں ہوتا۔ اور نہایت پیچدار ہے۔ پہلی طرف کی راہ نہایت خوشنما۔ دل افزا ہے جس مقصد پر پہنچنا چاہو آسانی سے پہنچ سکتے ہو۔ لوگ اپنے انداز اور وضعداری پر ایسے مرتے ہیں کہ عقل مستقیم اور مذہب کی طرف کچھ خیال نہیں کرتے۔ انسان کے سب کاموں کی بنا عدالت و خدا پرستی پر قائم ہونی چاہیے۔ اسکے برخلاف وہ اپنے دل کی خواہش پر رکھتا ہے۔ اور اس سے خوش ہوتا ہے اور اسی کو مستحسن جانتا ہے۔ تم کسی چیز کو تحسین و آفریں کے قابل نہ جانو جب تک کہ نیچر تم کو اس کا حکم نہ دے۔ مثلاً قسم کے بزرگوں کی تعظیم کرو یہ ایک نیچر کا حکم ہے مگر تم دیکھتے ہو کہ جوان بوڑھوں کی کیسی ہنسی عزیز کرتے ہیں اور کیسی ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اتھنز میں ایک تماشا تھا اس میں ایک بوڑھا دیر کر آیا۔ اپنے لیے جگہ ڈھونڈھتا تھا کہ اتھنز کے نوجوانوں نے اشارہ کیا کہ آپ ہمارے پاس آئے تو جگہ دیں جب یہ کہن سال ان نوجوانوں کے پاس گیا تو وہ اور پھیل کر بیٹھ گئے اور بڑے میاں پر ہنسنے لگے۔ جگہ نہ دی وہاں سے وہ پھر کر اہل سپارٹا کی بنچوں کی طرف گیا۔ تو وہ اس کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہوئے اور بڑی آؤ بھگت سے بٹھایا۔ جس سے اہل اتھنز دیکھ کر سخت نادم ہوئے دل میں اہل سپارٹا کی نیکی کا اثر ہوا۔ پیر دیرینہ سال نے پکار کر کہا کہ اہل اتھنز اسے نیکی کو سمجھتے ہیں اور اہل سپارٹا اسکو کرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں بڑے عمر کے آدمیوں کی ایسی عزت و تعظیم ہوتی تھی کہ اگر کوئی نوجوان بوڑھے کے لئے اپنی جگہ نہ خالی کرتا تھا وہ ناخدا پرست سمجھا جاتا تھا۔

جلسے و صحبتیں

کبوتر با کبوتر باز با باز ۔ کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

شیر شیروں کے ساتھہ اور بھیڑیے بھیڑیوں کے ساتھہ مل کر اپنی حفاظت اور اوروں پر حملہ کرتے ہیں۔
انسان مدنی الطبع ہے اُسکو جب موقع ملتا ہے وہ اپنی صحبتیں۔ جلسے۔ کلب قائم کرتا ہے
جب کوئی گروہ ہم طبع ہم جنس آدمیوں کا جمع ہو جاتا ہے تو وہ اپنی صحبت و جلسہ کا کوئی
وقت اور کوئی دن مقرر کرتے ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ اُن میں آپس میں مماثلت و مشابہت
ہے۔ ان جلسوں میں کوئی غیر جنس شریک ہوتا ہے تو بار خاطر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بہت سے
کلب ایسے ہیں کہ وہ مخصوص انگریزوں کے ساتھہ ہیں اُن میں ہندوستانیوں کو نہیں شریک
کرتے۔ اسلئے کہ وہ اُنسے غیر جنس ہے۔ کوئی ہندوستانی اُنمیں شریک جب ہی ہو سکتا ہے
کہ اُن کا ہم جنس اپنے تئیں بنالے +

(۲) لڑکوں کی کوئی بدنصیبی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ کمینے اور پاجی آدمیوں کی
[illegible] میں بیٹھنے لگے جو لڑکا اپنے سے کمتر آدمیوں میں بیٹھنے لگے گا وہ نیچا ہوتا جائیگا
اور آخر کو ایسا ڈوب جائیگا کہ پھر تیر کر نہیں ابھرے گا۔ تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ جیسا آدمی کا
دل جلد فساد پر آمادہ ہو جاتا ہے ایسا جلد وہ صلاح پر نہیں آتا۔ جیسا ایک اشراف کو پاجی بننا آسان ہے
ایسا پاجی کو اشراف بننا سہل نہیں ہے۔ بُری صحبت کا اثر ایسا ہوتا ہے جیسے کہ رنگ کی
کالک کا اثر کپڑوں پر آسانی سے ہوتا ہے اور مشکل سے چھوٹتا ہے ایسا بُری صحبت کا اثر
جلد آسانی سے ہوتا ہے اور دشواری سے جاتا ہے۔ بعض لڑکوں کی طبیعت میں کمینگی ہوتی ہے
ان کو بالطبع رزیلوں کی صحبت پسند ہوتی ہے خواہ اُن کو کیسی تعلیم دی جائے۔ وہ مدرسہ
میں بھی جائینگے تو رزیل قوموں کے لوگوں کو اپنا یار بنا کے کھائینگے۔ بعض کو تعلیم پہنچتی
اسلئے وہ بُری صحبت میں بیٹھتے ہیں بعض کو غرور ایک قسم کا ہوتا ہے کہ وہ اگر اپنے ہمسروں
میں بیٹھیں تو انکی عزت وہ نہیں ہوتی جو ذلیلوں میں بیٹھنے سے ہوتی ہے۔ اِس لئے
وہ اُن کی صحبت کو اختیار کرتے ہیں +

بدصورتی

بدصورت کو بناؤ سنگار زیبا نہیں

ہم اپنی صورت جسمانی آپ نہیں بناتے۔ وہ قدرت ہی سے بُری یا بھلی بنتی ہے انسان کو اسپر افسوس نہیں چاہیئے کہ ہائے کیوں میں بدصورت یا ناقص الاعضا پیدا ہوا۔ اسمیں اُسکی کچھ خطا نہیں ہے۔ یہ اُس کی راست بازی بڑی تحسین کے قابل ہے کہ وہ اپنی بدصورتی کا قائل ہو اور اپنی صورت کے عیبوں و نقصوں کو دیکھکر شرمندہ ہو۔ اُس کو یہ نہیں چاہیئے کہ وہ اپنی بدصورتی کے مٹانے کے لئے گھنٹوں آئینہ رکھکر سو سو طرح بناؤ سنگار میں تضیع اوقات کرے۔ اسکو اپنی صورت زشت پر قناعت و صبر چاہیئے۔ اور کبھی کوئی خیال اس قسم کا دل میں آنے دے جس سے رنج ہو۔ نامعقول آدمیوں کا قاعدہ ہے جہاں اُنھوں نے دیکھا کہ کسی کی آنکھیں میچی ہوئیں۔ ناک چپٹی ہونٹ موٹے۔ دانت نکلے ہوئے مُنہ ٹیڑھا۔ قد لمبا یا بہت چھوٹا یا ٹھنگنا تو وہ بے اختیار ہنستے ہیں ایسی حالت میں بدصورت کو چاہیئے کہ وہ اُنکے ساتھ ہنسی میں شریک ہو جائے اور اپنی صورت کی ہجو خود بنا لے۔ پھر نہ کوئی اُسپر ہنسے گا نہ اُسکی صورت میں کوئی عیب لگا کے بے ٹھکم بنائے گا۔ بدصورتوں پر لوگوں کو جب ہنسی آتی ہے کہ وہ اپنے تئیں خوبصورتوں میں گنتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی بدصورتی پر زیبائش و آرائش کا ملمع کرتے ہیں۔ کہ ہم خوبصورت پری نژاد معلوم ہوں۔ یہ حماقت اُن کی قلعی کھول دیتی ہے اور اُس پر بہ نسبت صورت کے لوگوں کو زیادہ ہنسی آتی ہے۔ ان کو چاہیئے کہ خدا نے جیسی صورت بنائی ویسی رہنے دیں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ زنگی کی سیاہی برف سے تھوڑی جا سکتی ہے۔ اپنی بدصورتی کا تسلیم کرنا ایسا حسن سیرت ہے کہ زشت صورتی کے عیب کو مٹا لے گا خوب صورت سے بھی اچھا بنا دے گا۔

مذہبی۔ طبابت۔ وکالت کے پیشے

اتنی جگہ کہاں ہے کہ ہر شخص اپنے دوست کو لا کر بٹھا سکے۔ اس خیال سے دل گھبراتا ہے کہ مذہب۔ وکالت۔ طبابت کے پیشے وروں کی کیسی کثرت ہے۔ مذہبی پیشہ وروں مولویوں ملا

اسلئے وہ بہت جلدی مرتبہ نہیں پہنچ سکتے تھے - ان قواعد داں سپاہ سے سوا آخر کی طرف
سپاہی ہوتے تھے جن کے نام سپاہ کی فہرست میں نہیں ہوتے تھے - وہ بھی دو ایک
لڑائیوں کو سنگوا لیا کرتے تھے -

بعض حکما کو جب مریض نہیں ملتے تو وہ کیمیا کے نسخوں کے بنانے میں اور معجونوں کے بنانے
میں دل لگاتے ہیں اور اپنا وقت سرموں کے پیسنے میں صرف کرتے ہیں ان تینوں قسم کے
پیشہ کرنے والوں کی کثرت سے ملک میں بڑی خرابیاں پھیل رہی ہیں - یہ تینوں پیشے ایسے
دشوار اور مشکل و معزز و معظم ہیں کہ اگر ان کے کرنے والوں کی تعداد سمٹ کے ریت کے ذروں
کی برابر ہو جائے تو بھی ان میں صدف بے بہا دو چار ہی نکلینگے -

(۳) اشراف بھلے مانسوں کو اکثر شوق ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ان تین پیشوں میں سے
کسی پیشے کو سکھائیں اور ان کو معزز بنائیں - مگر اکثر وہ اپنی امیدوں میں ناامید ہوتے ہیں
ان پیشوں کے میدانوں میں اتنے دوڑنے والے ہیں کہ بہت ہی تھوڑے ایسے ہوتے
ہیں کہ ان میں آگے نکل جاتے ہیں - مقدمات و نالشیں اتنی نہیں ہیں کہ وکلا و مختاروں کے واسطے کام
ہو - نہ بیمار اتنے ہیں کہ طبیبوں کے لئے کام موجود ہو - غرض اس کثرت نے ان پیشہ وروں میں
طرح طرح کے عیب پیدا کر دیئے ہیں - وہ اپنے معمولی قواعد سے کام نہیں چلا سکتے - وہ اپنی
تعریفوں کا اشتہار اخباروں میں چھپواتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ ہم اوروں کی نسبت کام کر سکتے
ہیں غرض جیسے اور سوداگر اور ادنی اہل حرفہ و پیشہ اپنے کام چلانے کے لئے کام کرتے
ہیں وہی یہ معزز پیشے والے کرتے ہیں عدالت میں ایک مقدمہ آتا ہے کہ ایک وکیل کہتا ہے
ہمکو چالیس روپیہ دو تو ڈگری کرا دینگے - دوسرا کہتا ہے کہ تیس ہی دیجئے - طبیب ہیں دوائیں بیچنے
کے لئے سر پر لئے پھرتے ہیں اور دکانیں لگائے بیٹھے ہیں - گاہکوں کو بلاتے ہیں جھوٹے
اشتہاروں کو مشتہر کرتے ہیں جو خاندانی طبیب تھے ان کے شجرہ خاندان میں اور پیشوں کی
قلمیں لگتی چلی جاتی ہیں حکیم زادے اور نوکریاں کرتے ہیں گو ان پیشوں میں اہل پیشہ کی

شہرت نے اُن کی قدر و منزلت کم دی ہے مگر بعض انمیں ایسے کامیاب نظر آتے ہیں کہ وہ اہل
لوعنت یہ ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کو یہ پیشہ سکھا کر جنتی مین بنائیں مگر اکثر انمیں ایسے ناکام رہتے
ہیں کہ اولاد ماباپوں کو بد دعا دیتی ہے کہ ہم کو زین سو رانده بزاغ مانده بنایا ہے کہ کوا چلا ہنس
کی چال وہ اپنی چال بھی بھولا۔

ہجو و مذمت

جب بد طینت آدمیوں میں فصاحت اور مذمت کرنے کی لیاقت ہوتی ہے تو وہ برا ستم کرتے ہیں
اور زہر اگلتے ہیں یہ بد نہاد اپنے قریب کے رشتہ داروں معزز خاندانوں۔ نیک نام نامآوروں
کی ہجو میں فصاحت و بلاغت خرچ کرکے دل آزاری کرتے ہیں اور اپنے تئیں چھپا کر وہ زہریلے
تیر نیک آدمیوں پر لگاتے ہیں کہ وہ اُف نہیں کہ سکتے۔ اندر ہی اندر اُن کا کلیجہ ایسے زخموں
سے چھدتا ہے کہ جنکے اچھے ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ ایسی وحشیانہ ذہانت پر لعنت ہے
کہ کسی خاص آدمی کی دل آزاری کرے۔ یہ ستم شعار ان لوگوں کی ہجو کرتے ہیں جو مدح کے قابل
ہوتے ہیں وہ جو عیب اور برائیاں اُن میں بیان کرتے ہیں وہ ہرگز انمیں نہیں ہوتیں جو خرابیاں
تاریکی میں اُس تیر افگنی سے پیدا ہوتی ہیں وہ بیان نہیں ہوسکتیں یہ پاجی بد نہاد آدمیوں کے
دلوں میں ایک مخفی شرمندگی اور آزردگی پیدا کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہ پاجی نہ کسی کا
مال چراتے ہیں نہ کسی کو قتل کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں بہتیرے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ انکو اپنی
بدنامی اور ہنسی اُڑنے سے ایسا رنج ہوتا ہے کہ دولت کے چوری جانے یا جان کے جانے
سے نہیں ہوتا جب مضرت پہنچائی جائے تو ضرر کا اندازہ ضرر رسان کے خیال کے موافق
نہ کیا جائے بلکہ ضرر رسیدہ کے خیال کے موافق۔ یہ بد نہاد اپنی تیغ زبان سے بزرگوں کی
عزت کا خون بہاتے ہیں۔ ان کی زبان سانپ کی زبانوں کی طرح لہراتی ہے اور نیش زنی
کرتی ہے ۔۔۔ بعض آدمی ایسے متحمل و بردبار ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہجو سن کر چہرہ نہیں
بناتے۔ مگر اُن کے دل میں رنج و اندوہ ہوتا ہے سلاطین اور امرا کی ہجو میں جب شعرا یا او

فصحا اپنی آب حیات کو زہر آب بنالتے ہیں تو وہ انکا علاج بمقتضار زمانہ کرتے ہیں بعض ممکن
ہے ان ہجو یوں کو بڑے بڑے انعام اکرام دیتے ہیں + وہن سگ بلقمہ دوختہ بہ
پر عمل کرتے ہیں تو وہ پھر اُن کی ہجو نہیں کرتے - بلکہ اپنی پہلی لکھی ہوئی ہجووں کو ملیا
کر دیتے ہیں یا بدل دیتے ہیں بعض دفعہ وہ انعام اس کام کے لئے مقرر کرتے ہیں کہ
کوئی جاسوس ہجو کرنے والے کو بتلادے کیونکہ اکثر ہجا گمنام لکھی جایا کرتی ہیں جب پکڑے
گئے تو اُن کی زبان نکلوادی - دست و پا بریدہ کردئے - غرض کیفر کردار کو پہنچادیا -
ایسی باتیں قدیم زمانہ سے ہوتی آئی ہیں - ان بدشعار آدمیوں میں یہ ایک اور بُری بات
ہوتی ہے کہ وہ جب کسی اپنے دوست سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں تو تمام اپنی فصاحت
اُسکی ہجو کرنے میں خرچ کرتے ہیں وہ اس اپنی حرکت کو شرافت سے بعید نہیں جانتے
بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی ایک حربہ ہمارے پاس ہے جس سے ہم اپنا انتقام لیتے ہیں جو صرف
بدطینت ہوتے ہیں وہ تو اپنے دشمنوں کو ضرور گزند پہنچاتے ہیں لیکن جب اُن بدطینتی کے
ساتھ فصاحت و ظرافت کی لیاقت جمع ہو جاتی ہے تو پھر دونو دوست و دشمن کی خبر لیتے
ہیں اور ہنسی ہنسی میں اُن کی خاک اُڑاتے ہیں - ان کی نقل وہی ہوتی ہے کہ تالاب کے
کنارے لڑکے گئے - جو مینڈک سر نکالتا - اُسکے پتھر تاک کے مارتے - اِسپر ایک مینڈک نے کہا
کہ اے لڑکو جو تمہارا کھیل ہے وہ ہماری موت ہے - ایسے ہی جو اُن کی ظرافت ہے وہ
اوروں کی ذلت ہے -

(۲) خدا پرستوں اور نیک حکما کی کوئی مذمت کرے تو اُس سے اُن کو تکلیف نہیں پہنچتی
وہ حق جوئی میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ اُن کو اپنی ہجو و مذمت پر توجہ کرنے کی
فرصت ہی نہیں ہوتی اور اگر اُسکو سُنتے ہیں تو جواب بڑے لطف و کرم کے ساتھ
دیتے ہیں - ایک حکیم کی ایک شخص سخت ہجو کر رہا تھا تو اُس نے کہا کہ تیری اِس ہجو کا
یقین لوگ ایسا ہی نہیں کرتے جیسے کہ میں تیری تعریف کروں تو اُسکا یقین کوئی نہیں کرتا

ارسطو پر ایک شخص لعنت کرتا تہا۔ تو اُسنے اِس شخص سے کہا کہ اوروں کی لعنت ملامت
سے تجھے ہمیشہ تکلیف پہونچتی رہی ہے اسلئے تو مجھے خوشی خوشی لعنت ملامت کرتا ہے اور میں نے
کسی پر کبھی تبرا نہیں کیا۔ اسلئے اُس کے سننے سے میں ناخوش نہیں ہوتا۔ ایک بڑے گویتے
کی ایک شخص نے یہ مذمت کی کہ تیرے گانے پر تو لڑکوں کو ہنسی آتی ہے تو اُس نے ہنس کر
کہا کہ مجھے اچھا گانا اب آجائے گا۔ افلاطون کا مقولہ نہایت عمدہ ہے کہ لوگوں نے اُس سے
کہا کہ تیرے دشمن تجھ کو بہت بُرا کہتے ہیں تو اُس نے کہا کہ اب میں اس طرح زندگی بسر کرونگا
کہ لوگوں کو ان کے کہنے کا یقین نہیں آئے گا + دوسرا مقولہ یہ ہے کہ جب لوگوں نے
اُس سے کہا کہ تیرے دوست تجھے بُرا کہتے ہیں تو اُس نے کہا کہ اس سے بہتر کوئی تدبیر لوگوں
کی نیش زنی سے بچنے کی نہیں ہے۔ ایک دانشمند کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو بُرا کہے
تو تم کو یہ سوچنا چاہئے کہ اسمیں کتنا سچ ہے پس اُسے سُن کر اپنی اصلاح کرو۔

حفظ صحت میں زیادہ اہتمام

ایک دائم المریض اپنا حال یوں لکھتا ہے کہ میرے جسم وجان کے پیچھے علم طب کے پڑھنے سے
روگ لگے ہیں۔ جب مینے اول ہی ایک طب کی کتاب کو مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ نبض
میری بے قاعدہ چلتی ہے۔ طب کی کتابوں میں جن امراض کا حال پڑہتا تہا یہ جانتا تہا کہ
میں اُن امراض میں گرفتار ہوں۔ جب ایک فاضل کی کتابیں سل کے بیان میں پڑہیں تو
مجھے اپنے اوپر گمان ہوا کہ مجھے یہ مرض ہوگیا ہے۔ مگر جب میں بہت موٹا ہوگیا تو میں اپنے
شبہ کے غلط ہونے سے بہت شرمندہ ہوا۔ پہر مینے اپنے میں سعال اور درد کے گٹھیا کی اور علامتیں
دیکھیں جب اُستادوں کی کتابیں دیکھکر اُس کا علاج کیا تو استحالہ مرض ہوا کہ گٹھیا جاتی رہی
تپہری ہوگئی۔ غرض جب میں امراض متعددہ میں مبتلا ہوا۔ تو نہایت عمدہ عمدہ اطبا کی
کی کتابیں جمع کرکے قوانین کو مرتب کیا اور اُن کا تجربہ اور مشاہدہ اِس طرح کیا کہ ایک کرسی
ایجاد کی جسمیں کمانیاں قواعد ریاضیہ کے موافق ایسی لگائیں کہ وہ وزن بتانے کے لئے

ترازو کا کام دینے لگی میں تین برس تک اسی کرسی ہی پر بیٹھا بیٹھا سوتا رہا۔ جیسے
تجربے سے دریافت کرلیا کہ خوراک کتنی پسینوں کی راہ نکل جاتی ہے کتنی جزو بدن ہوتی ہے
کتنی فضلوں میں نکل جاتی ہے۔ پس اپنا وزن حالت تندرستی میں مقرر کرکے اسکے موافق
ہمیشہ اپنا وزن رکھتا تھا۔ پسینوں کے آنے اور فضلوں کے نکلنے سے جتنا وزن کم ہوجاتا
تھا اتنا ہی میں پنیر او [illegible] روٹی کھاکر بڑھا لیتا تھا۔ میں نے اپنے کھانے کا وقت کسی گھنٹہ
پر نہیں مقرر کیا تھا بلکہ اسی کرسی کے وزن بتلانے پر سال بھر تک میں رجسٹر میں اپنے
وزن کا حال لکھتا رہا۔

اس دائم المریض کے حال سے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ موت کا خوف موت کا
سبب ہوتا ہے۔ جو اپنے تئیں موت کے ہاتھ سے بچانے کی تدابیر کرتے ہیں وہ جلد اسکے پنجے میں
گرفتار ہوتے ہیں مورخوں نے لکھا ہے کہ میدان جنگ سے جو سپاہی جان بچانے کے لیے
بھاگتے ہیں وہی زیادہ مارے جاتے ہیں۔ پس یہی حال ان وہمی مریضوں کا ہے جو
جان کے واسطے دوا کی فکر میں رہتے ہیں جتنا وہ موت سے بھاگتے ہیں اتنا ہی وہ انکو پکڑتی ہے
غرض جو لوگ فقط جینے ہی کو اپنی زندگی کا مآل جانتے ہیں اور رات دن صحت ہی کی فکر
میں رہتے ہیں اور قوانین طب کے خلاف کسی کام کو نہیں کرتے ہیں۔ وہ بڑے دون طبع ہیں
اور انسانیت سے خالی۔ عالی طبع ایسے کام کے کرنے سے مرنے کو اچھا جانتے ہیں سواء
اسکے جس آدمی کو اپنی جان او صحت کی ہر وقت فکر پڑی رہتی ہے وہ تمام لذائذ جسمانی
سے محروم ہوتا ہے۔ ساری دنیا میں ایک اندھیری چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ ناممکن ہے
کہ جس چیز کو ہم یہ جانیں کہ وہ اب گئی اب گئی اس سے کوئی احتظاظ والتذاذ حاصل ہوسکے
کوئی ہماری غرض اس بیان سے یہ نہ جانے کہ ہم صحت جسمانی کی تدابیر کو جو مناسب ہیں
منع کرتے ہیں۔ نہیں جو معقول تدبیریں ہوں وہ صحت و نشوونما جسم کے لئے اور دل کی تفریح
کے لئے ضرور کرنی چاہئے۔ ہم تو اس کو منع کرتے ہیں کہ جینے او صحت کے فکر میں ہر دم

غم و الم میں مبتلا ہو اور کوئی ہدایت آدمی اپنے دل کو دنیا کی طرف نہ لے فقط دنیا میں آنے کا مطلب یہی جانے کہ جسم و جان تندرست رہیں جو صحت فکر زیادہ کرتے ہیں وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ کیونکر تندرست رہتے ہیں۔ جان کی حفاظت کو عرض اور دل کی ہدایت کو جوہر جاننا چاہئے خوشی اسی میں ہے کہ نہ موت کو چاہیں نہ اُس سے خائف ہوں ہم نے جو ایک دائم المریض شخص کا حال نقل کیا ہے کہ اس نے اپنی کرسی ہی کو اپنا طبیب بنا یا تھا اور فقط اپنے جسم کے وزن ہی پر صحت کا مدار رکھا تھا۔ قدرتی بھوک پیاس ورزش کو بالائے طاق رکھا تھا اُس کے مناسب حال یہ نقل ہے کہ جیوپیٹر (یونانیوں کا دیوتا) ایک کسان کے حال پر جب مہربان ہوا تو اُس سے کہا کہ جو تو مجھ سے مانگے گا میں تجھے دیدوں گا کسان نے درخواست کی کہ مجھے موسموں پر اختیار مل جائے۔ یہ درخواست اُسکی منظور ہو گئی اُس نے اپنی زمین کی قابلیت کے موافق۔ مینہ۔ برف۔ جاڑے۔ گرمی میں سے جسکی ضرورت ہوئی اُس سے مانگا۔ وہ اُس مرضی کے موافق ہو گیا۔ مگر سال کے آخر میں اُسنے اپنے کھیت کی پیداوار کو دیکھا تو اپنے آس پاس کے کسانوں کے کھیت کی پیداوار کم پایا تو اُس نے اپنے دیوتا سے یہ دعا کی کہ مجھ سے یہ اختیارات لے لئے جائیں نہیں تو میں جلدی برباد ہو جاؤں گا +

حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت

عورتوں کے حسن کو جو چیزیں دوبالا کرتی ہیں اُن کے باب میں عقلا کے یہ مقولے ہیں اول حسن کی تائید کے لئے حسن گفتار بھی ضرور ہے۔ یہ کلام کی ظرافت لطافت خوبصورتی کو دوبالا کر دیتی ہے۔۔ دوم حسن صورت کو نخوت گرہن لگا دیتی ہے تصنع اور بناوٹ حسن کے لئے چیچک سے زیادہ دشمن ہیں سوم حسین عورت میں بیوفائی کی قابلیت معشوقی کی آن و شان کو برباد دیتی ہے۔ چہارم جو دوست میں بات مکروہ ہو وہ عورت کے لئے بدصورتی کی برابر ہے جب یہ اصول تسلیم کر لئے جائیں تو یہ بات خود ثابت ہوتی ہے کہ عورت سرتاپا اپنی تمیز

نیک صفات کے زیوروں کی زیب و زینت دے حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت جو دلبری و
دل ربائی پیدا کرتا ہے وہ کوئی اور چیز نہیں کرتی۔ کمہار کے آوے میں جیسے برتن بُرے
بھلے بنتے ہیں ایسے ہی مٹی کے خمیر سے آدمی خوبصورت اور بدصورت بنتے ہیں نیک سیرتی
خوبصورتوں کو چمکا اور بدصورتوں کے عیب کو چھپا دیتی ہے۔ یہ خیال کرنا کہ عورتوں کی خوبروئی
فقط قوت باصرہ کے حظ کے لئے ہے غلط ہے۔ یہ حسن صورت اُن کا جب حسن سیرت
اُسکے ساتھ ہو دل کے حظ اور التذاذ کے واسطے بنایا گیا ہے۔ وہی انہیں زیادہ عزیز
اور پیارا بناتا ہے۔ خدا پرستی۔ خوش مزاجی۔ راست بازی حسن کی جان ہیں۔ ایک حسین
عورت کی قبر پر یہ کیا خوب مضمون کندہ تھا کہ اس پتھر کے نیچے حسن صورت جو مردہ
ہوسکتا تھا دفن ہے اور حسن سیرت جو زندگی میں حسن صورت کو تقویت دیتا تھا زندہ ہے۔

ظرافت

ظرافت سے مراد ہماری اس کلام سے ہے جو ایسی فصاحت اور لطافت سے بیان کیا جائے
کہ جس سے لوگوں کا دل مسرور ہو۔ خواہ وہ کوئی لطیفہ چٹکلا نقل و حکایت ہو یا کوئی اور بات ہو
اب ظرافت اور ظریف دو قسم کے ہیں ایک سچے دوسرے جھوٹے۔ ان دونوں میں ایسا فرق ہے
جیسا بندر اور آدمی میں۔ جھوٹے ظریف بندر کی سی کھلاڑیاں اور تماشے کرتے ہیں
اور بھانڈوں کی سی نقالی۔ وہ اپنی نقالی اور بھانڈپن پر ایسے اتراتے ہیں کہ انکو
اس کی پروا نہیں ہوتی۔ کہ ہمارے بیان سے بُرائی بھلائی۔ بیوقوفی دانائی۔ شادی و
رنج طمع و افلاس ایک ہو جاتے ہیں۔ وہ کم بخت اسی ہاتھ کو کاٹتے ہیں جو انکو کھلاتا ہے
جس ہانڈی میں کھاتے ہیں اُسی میں چھید کرتے ہیں۔ وہ اپنے چٹکلوں سے دوست و دشمن
دونوں کو چٹکیوں میں اڑاتے ہیں ان میں ذہانت اتنی کم ہوتی ہے کہ اُسکو سمجھتی ہی نہیں کہ
ظرافت میں ہمکو کیا کرنا چاہئے جو کچھ کرتے ہیں اُس سے خوش ہوتے ہیں انکا بیان
عقلی اور تحقیقی دلائل سے خالی ہوتا ہے۔ اور جو ان کی منطقی دلائل ہوتی وہ مسخراپن ہوتا ہے

وہ ۔ کی تعلیم و نصیحت و بندی بات نہیں کہتے۔ اُن کا مقصود فقط یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات
ہم ایسی شوخی و شگفتہ بیانی سے کہیں کہ سننے والے ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ جائیں
انکو منہ چڑانا خوب آتا ہے۔ پھبتیاں خوب کہتے ہیں۔ شخصی طعن و طنز کی عادت ہوتی ہے
وہ بڑے آدمی بڑے مصنف پر اعتراض کرینگے۔ کچھ برائی اور تصنیف پر نہیں انہیں
خود عزت پیدا کرنے کا خیال البتہ نہیں ہوتا جیسا کہ اوروں کی عزت کو خاک میں ملا کے
ذلیل کرنے کا۔ سچے ظریف دل چسپ خیالات کو خوشنمائی سے ادا کرتے ہیں۔ اور ایسی تیزی
اور بیباکی سے باتیں کرتے ہیں کہ کبھی کند ذہنی اور دیر فہمی کا داغ اپنے تئیں نہیں لگنے
دیتے۔ وہ پرانی باتوں کو نہیں پسند کرتے۔ بلکہ نئے نئے ایجاد و اختراع کرتے ہیں
اور عجیب عجیب رنگ سخن دکھاتے ہیں۔ اگر کسی کو دلائل سے نہیں قائل کر سکتے۔ تو اپنے
لطائف ظرافت سے اُسے بند کر دیتے ہیں جو بات کہتے ہیں اس خوبی و لطافت کے
ساتھ کہ لبوں پر تبسم آئے بغیر نہیں رہتا۔ سب اپنی کان انکی باتوں کی طرف لگا دیتے ہیں اور ایک واہ واہ کا غل مچا دیتے ہیں

نکمے آدمی و کاہلی

(۱) ایک بڑا گروہ نکمے آدمیوں کا ہے کہ جو فقط اسی کو غنیمت سمجھتے
ہیں کہ ہم آدمیوں میں شمار کئے جائیں اُن کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ کوئی کام بھی کر
اور اُس میں ممتاز و سرفراز ہوں۔ وہ وقت کو کسی کام میں نہیں لگاتے۔ بالکل عبث ضائع کرتے
ہیں نہ گذشتہ پر افسوس کرتے ہیں نہ آیندہ کی فکر رکھتے ہیں اپنی ساری زندگی فقط
آن موجودہ کو جانتے ہیں اور اس سے بھی متمتع نہیں ہوتے جب ان میں سے کسی کو
دولت ہاتھ لگ جاتی ہے تو وہ اپنا وقت پلنگ پر یا گھوڑے کی پیٹھ پر صرف کرتا
ہے۔ کبوتر اور مرغیاں پال کر اُن کی حفاظت کتے بلیوں سے کرتا ہے۔
(۲) ایک آدمی وہ ہیں کہ سارے دن پڑے رہتے ہیں نہ کوئی برا کام کریں نہ بھلا۔ اشرافانہ
کاہلی میں دن بسر کر دیتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں کہ اپنے وقت کو شرارت اور فساد کا موجب

بسر کرتے ہیں خدا پرست خواہ اول قسم کے آدمیوں کو یہی خیال کریں مگر ان کا حال
دوسری قسم کے آدمیوں سے بدتر ہے اسلئے کہ بدی کا علاج تو ہو سکتا ہے مگر سستی کا کچھ
نہیں شرارت اور برائیوں سے آدمی سیر ہو کر خود چھوڑ دیتا ہے۔ اکثر جوانی کے نشہ میں
ایسے کام ہوتے ہیں مگر جہاں یہ نشہ اترا پھر وہ کام بھی نہیں ہوتے۔ مگر کاہلی تو روز
بیکار خالی رہنے سے قوی ہوتی جاتی ہے۔ کاہلی میں جو تکلیف اور بے چینی ہے وہ کسی اور
کام میں نہیں کاہل آدمی کو ہر ایک کام ایک شیر معلوم ہوتا ہے جو اس کی جان لینے کے لئے موجود ہے
(۲۳) سب سے بدتر وہ کاہل ہیں جو بظاہر کام کرنے والے معلوم ہوتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ
ہم بہت کام کرتے ہیں اور کام ہی کرنے کی جلدی میں مضطربانہ ادہر ادہر پڑے پھرتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ ہم کام کرتے ہیں۔ ۔ جو شخص آرام سے بیٹھا ہے اور پلنگ پر پڑا ہے تو وہ
جتنا اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اتنا ہی اوروں کو وہ یہ جانتا ہے کہ میں کچھ کام نہیں کرتا۔ اسکو
روز کاہلی کے گھنٹے فقط اسکو اپنی زندگی بسر کرنے کے طریقوں کی تبدیلی سکھاتے ہیں
کچھ نہ کرنا ندامت دلاتا ہے اور بہت کچھ کرنا آدمی کو ناراض کرتا ہے اور خرفشہ دلاتا ہے
صدہا ترکیبیں ایجاد کی گئی ہیں کہ حرکت بے محنت کے پیدا ہو اور کام بے تردد ات کیا جائے
جن پر دولت نے کرم کیا ہے انہیں سے اکثر اپنی مرضی کے موافق کام کرتے ہیں اور جنکو
حاجت نے ہل چلانے یا اور کسی مزدوری کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے وہ زندگی بھر اصل کام
کیا کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ہم کیا کام کرتے ہیں وہ کام کرنے والوں کی نقل اتارتے
ہیں اور ان میں ہر قسم کے آدمی موجود ہیں۔ بعض ان میں سے ہر نیلام میں موجود ہیں مگر کسی چیز
کے خریدنے کے ارادہ سے نہیں آئے۔ بعض آدمی ہیں ہر وعظ میں ہر مباحثہ میں ہر جلسہ میں
موجود ہیں لیکن اس سے کچھ غرض مطلب نہیں۔ ہر میلہ میں جاتے ہیں مگر اس سے کچھ
مسرت و انبساط غرض نہیں جبکہ ان کو یہ خالی کام کرنے کے لئے نہیں ہوتے تو ان کا
دل گھبراتا ہے۔

(۴) کاہلی کی برابر کوئی برائی نہیں ہے جو آدمی کو معاشرت کے لئے سب طرح سے نکما کر دیتی ہے
صحیفہ مخلوقات میں کاہل آدمی کورا صفحہ ہے - وہ کسی کام کے لئے نہیں بنایا گیا - اور نہ
کسی مقصد کے لئے اوسکی زیست ہے - وہ کسی کام کرنے کا اقرار نہیں کرسکتا اسلئے کہ اوسکی
طرف وہ متوجہ نہیں ہوتا - وہ کسی کام میں کامیاب نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ اوسکے کرنے
کے درپے نہیں ہوتا - وہ برا خاوند - برا باپ - برا رشتہ دار ہے - اسلئے کہ نہ وہ بیوی کے
لئے نہ بچوں کے لئے نہ کنبے کے لئے روٹی کماتا ہے کہ اونکو بھوکا نہ مرنے دے - وہ دوست
بھی اچھا نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ اپنے ہاتھ کو چھاتی سے جدا نہیں کرتا کہ دنیا کو غارت ہونے سے
بچاسے - اگر وہ مفلس پیدا ہوا ہے تو وہ عمر بھر غریب ہی رہے گا - اگر تاجر ہے تو دوالہ نکالیگا
اگر دولتمند ہے تو اوسکے اہلکار مالدار ہوجائینگے اور وہ خود کوڑی کوڑی کو محتاج ہوگا
یہ یاد رکھو کہ نیچر نے ہمکو کمال کی حالت میں نہیں پیدا کیا مگر ایک قوت ہمکو عطا کی ہے کہ ہم
ترقی کرسکیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو لائق اور قابل بننے کے لئے محنت ضرور چاہئے
بہت تھوڑے ہی ایسے غبی کودن اور کند ذہن ہوتے ہیں کہ وہ کسی کام میں سخت محنت
کریں اور کچھ نہ کچھ لائق ہوجائیں - اور ایسے ہی بہت تھوڑی طباع تیز ذہن اور ذکی
ہوتی ہیں کہ جن کو محنت کی ضرورت نہ ہو - کاموں کے سرانجام دینے میں محنت و توجہ
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی کیسی دشواریاں اور مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں - دنیا میں
کوئی حیوان ایسا نکما نہیں جیسا کہ کاہل بھلا مانس - اس پاس جائداد ہوتی ہے
اسلئے وہ علم حاصل کرنے میں محنت نہیں کرتا - اور وہ کسی پیشہ کے لئے محنت نہیں کرتا اسلئے وہ
کوئی کام نہیں کرتا مگر نیچر میں کوئی محض خفی فضیلت نہیں ہے - کوئی محض کاہل نہیں ہوسکتا
جو نیکی نہیں کرتا وہ ضرور بدی کریگا - اگر انسان کا دل فائدہ مند علم کا مخزن نہیں ہے
تو وہ بے معنی اور لغو اور بیہودہ علم کا خزانہ ہوگا - اگر ایک بھلا مانس عقل کے کام نہیں کریگا
تو بیوقوفی کے کریگا - اگر کوئی شخص اس سبب کوئی کام نہیں کرتا کہ کوئی کام اوس پاس [illegible]

تو وہ بدی و شرارت کے کام سے گا یا ذلت یا مسخرگی کے۔
کوئی اس سے زیادہ افسوس ناک واقعہ نہیں ہے کہ کوئی شخص نیک دل اور قدرتی لیاقتیں
اور قابلیتیں رکھنے والا ایسا ہو کہ جسکی ساری لیاقتوں کو کاہلی نے برباد کر دیا ہو۔ باوجودیکہ
اوسمیں سب قابلیتیں ایسی موجود ہیں کہ وہ اوروں کو خوش کر سکتا ہے۔ اور اپنے تئیں ممتاز
اور سرافراز بلکہ وہ اپنے دوست آشناؤں کے لئے وبا کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مقولہ جو ہے کہ کاہل
آدمی کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر اپنے تئیں صحیح نہیں ہے جس شخص کا دل و دماغ درست ہو
اور وہ کاہل اور غافل ہو کر بیہودہ اوضاع و اطوار اختیار کرے۔ تو وہ دوستوں اور عزیزوں
کو بہت تکلیف پہونچاتا ہے۔ جو شخص اپنے لئے عدالت نہیں کرتا وہ ضرور اوروں کے
حق میں ناانصافی کرے گا +

فقط بے گناہی کے خیال سے نیکی نہیں دیکھی جاتی کہ وہ کسی کو ضرر نہیں پہونچاتی بلکہ
اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھلائی کیا کرتی ہے۔ طائی طیس نے جب ایک دن
کوئی بھلا کام نہیں کیا تو اوس نے کہا کہ آج کا دن بیکار کھو دیا۔ اگر ہم اپنے دنوں پر اس طرح
خیال کریں تو معلوم نہیں کتنے دنوں یونہیں رائگاں گئے ہونگے۔ اگر ہم اس حساب سے
زندگی کے دنوں کا اندازہ کریں تو ہماری زندگی بہت چھوٹی ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں
زندگی کے دن وہی شمار کرنی چاہیے کہ جس میں نیک کام کئے ہوں۔ اسی حساب کے
موافق ایک بوڑھے آدمی کی قبر پر لکھا تھا کہ وہ پانچ سال جیا۔ یہ عمر جب سے شمار ہوئی کہ اوسنے
بُرے کاموں سے توبہ کی۔ اگر قبرستانوں میں قبروں پر اس طرح عمر کا حساب کرکے لکھا جایا
کرے تو بڑا اثر لوگوں کے دلوں پر ہو کہ یہ شخص جو یہاں ایسی نیند سوتا ہے کہ پھر نہیں
اٹھے گا۔ اُس کی عمر نواسی برس کی تھی مگر بچہ تھا۔ غرض عمر کے دن وہی شمار کئے
جائیں جس دن کوئی کام بھلائی کا کیا ہو۔ جو دن کاہلی میں یا شرارت میں بسر کیا ہو وہ
خارج کیا جائے۔ قبروں پر بجائے اسکے کہ یہ مردہ فلاں تاریخ پیدا ہوا فلاں تاریخ مرگیا

یہ لکھا جایا کرے اتنی عمر ہوئی اور اس میں اتنے دنوں زندہ رہا جن میں اس نے
نیک کام کیے۔ تو قبرستان بڑی دلچسپ کتاب نیکی کی تعلیم کے لئے ہو جائے +

عیش و طمع

دنیا میں استراحت کی محبت اور عسرت کی دہشت نے اکثر پیشے حرفے۔ تجارتیں۔
زندگی بسر کرنے کے طریقے پیدا کئے ہیں جب استراحت کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے تو عیش
پیدا ہوتا ہے اور جب عسرت کی دہشت بڑھ جاتی ہے تو طمع پیدا ہوتی ہے۔ یہ دونوں [illegible]
متضاد و مخالف راہوں میں آدمی کو لے جاتے ہیں۔ فارسی زبان میں اس مضمون کو
اس طرح لکھا ہے کہ ایک نوجوان صبح کو پلنگ پر بے خبر سوتا تھا کہ طمع نے اسے للکارا
کہ کیوں تو پڑا اینڈ رہا ہے اٹھ کھڑا ہو۔ ہر چند اس نے عذر اپنے سونے کے لیے کیے مگر طمع
نے ایک نہ سنا۔ ناچار نوجوان کچھ جھومتا کچھ اونگتا پلنگ سے اٹھا طمع سے عرض کی
کہ جو حضور کا حکم ہو وہ میں بجالاؤں۔ طمع نے کہا کہ سنو دریا پر جہازیں ہیں جہاز جانیوالا ہے
تم جہاں بیٹ۔ انگور۔ بید انجیر۔ سیاہ مرچ اور گرم خوشبودار مصالح [illegible] اونٹوں
کی پیٹھ پر لدوا کر وہاں لے جاؤ اور جہاز میں لے کر روانہ ہو۔ اور خوب جھوٹ بول کر
تجارت کرو۔ پیسے پیسے پر قسم کھاؤ۔ تجارت میں ایسے گناہ خدا معاف کر دیتا ہے جنت کا
دروازہ ان کے کرنے سے بند نہیں ہوتا۔ یہ حکم سنکر جب نوجوان چلنے کو تیار ہوا عیش نے
اسکو سمجھایا کہ کیوں دیوانہ ہوا ہے۔ راحت کو چھوڑ کر زحمت اٹھاتا ہے بحری سفر میں بڑی
بلائیں ہوتی ہیں۔ کیوں ان کو سر لیتا ہے۔ زندگی جو عیش و عشرت کے ساتھ نہ ہو وہ
کیا خاک زندگی ہے۔ دنیا میں استراحت ہی جنت ہے۔ بس تو چین آرام کر۔ دن [illegible] رات شراب
پینا۔ مطرب خوش نوا سے گوانا۔ خوشبوؤں سے مکانوں کو مہکانا۔ ان کا سارا سامان مرضی
کے موافق جمع کر۔ باغوں کی سیر کر۔ دنیا میں موت پیچھے لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد پھر دنیا
میں آنا نہیں جتنا عیش کیا جا سکے کر۔ غرض ایسی پٹیاں عیش نے پڑھائیں کہ اس نے گھر سے

قصہ نمبر ۱ - یہ عیش وہ بلا ہے کہ جب کوئی سلطنت فتحیاب ہوتی ہے اور اپنے زبردست
دشمنوں کو زیر کر لیتی ہے اور کسی دشمن کا خوف نہیں رہتا کہ وہ اُس پر حملہ آور ہو تو اُس کی
طبیعت کا مقتضا یہ ہے کہ وہ عیش وعشرت میں ڈوبتی ہے۔ دولت کے مزے لوٹتی ہے
خوب گلچھرے اُڑاتی ہے عیش کے بندے اپنے نشاط وطرب کے لیے اوروں کی دولت
پر دست درازیاں کرتے ہیں اب یہ دونوں عیش اور طمع کے معاملات ملکر بڑے پیچ در پیچ
ہو جاتے ہیں روز بروز سامان عشرت کو عیش وعشرت بڑہاتے جاتے ہیں مورخوں
نے لکھا ہے کہ جب روئے زمین کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو رومیوں نے فتح کر لیا۔ اور
کہیں دشمنوں کا کھٹکا باقی نہ رہا تو اس سلطنت میں دو برائیاں پیدا ہوئیں ایک استراحت
دوسری طمع۔ ارکین سلطنت بڑے بڑے ظلموں کے ساتھہ اوروں کی دولت طمع چھینواتی
تھی اور اُسکو اسراف کے ہاتھہ سے عیش اڑواتا تھا۔ جو حال اس سلطنت روم کا انہی دو برائیوں
کے ہاتھہ سے ہوا۔ وہ اور بہت سی سلطنتوں کا ہمیشہ زمانہ میں ہوتا رہتا ہے جب کسی سلطنت
کی ایسی صورت بنتی ہے تو ارکین سلطنت میں ہر ایک کو یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ اپنی ظاہری
شان وشکوہ اور عیش وعشرت میں اور سب پر سبقت لیجاؤں۔ کچھہ ان کو خوف اس بات کا
نہیں ہوتا کہ دشمن پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ اپنی حتی المقدور سوا عیش وطرب کے کوئی کام اور
نہیں کرتے۔ اس سبب سے اُن کو دولت ومال کی طمع دامن گیر ہوتی ہے۔ اسی مضمون
کو تشبیہات کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

(۲) دو بڑے قہرمان ظالم جن میں سے ایک کا نام طمع اور دوسرے کا نام عیش تھا۔ ہمیشہ ہنگامہ
جنگ گرم رکھتے تھے۔ ہر ایک اقلیم ودل کا خواستگار تھا۔ اور یہ چاہتا تھا کہ وہ میرے ہی ہاتھہ تلے
رہے عیش کے بڑے جنگی سپہ سالار یہ تھے۔ استراحت۔ نشاط۔ شان وشوکت۔ خوش وضعی
طمع بھی کچھہ عیش سے قوت میں کم نہ تھی اُسکے پاس بھی بڑے بڑے سردار یہ تھے۔ محنت۔ سعی
احتیاط۔ حفاظت۔ بھوک وزیر اعظم جو ہر وقت اُسکے ساتھہ رہتا تھا۔ وہ افلاس تھا۔

کاموں کا مدار اس وزیر اعظم کی صلاح و مشورہ پر منحصر تہا۔ عیش کا وزیر اعظم تونگری تھا۔ اسی کی صلاح و مشورہ سے وہ اپنے سارے کام کرتا تہا۔ کبھی ایک دم اپنی نگاہ سے اُسے غائب نہیں ہونے دیتا تہا۔ تمام تدابیر اسی کی مرضی کے موافق ہوتی تہیں غرض یہ دونو دشمن دو نیتے ان سپہ سالاروں کو ساتہہ لیکر معرکہ رزم گرم کرتے تو فتح کا کوئی طور ڈہنگ تہا کسی ملک کو عیش نے فتح کرلیا کسی دل کو طمع نے۔ باپ اگر طمع کے علم کے نیچے کھڑا ہی تو بیٹا عیش کے نیزہ کے سایہ میں بیٹہا ہے۔ میاں ایک طرف بیوی دوسری طرف۔ بلکہ ایک ہی آدمی جو انی میں ایک جانب اور بڑہاپے دوسری جا۔ لیکن جو دانشمند تھے وہ نہ کبھی اسطرف ہوئے نہ اُسطرف مگر ان کی تعداد بہت نہ تہی جب یہ دونو لڑتے لڑتے ہار کر تھک گئے تو آپسمیں یہ قرار پائی کہ دونو کی ملاقات ہو۔ مگر آپس میں کوئی وزیر ساتھہ نہ ہو۔ جب دونو آپس میں ملے تو اول عیش نے گفتگو شروع کی بآزادی سے جو اسکی طبیعت کا مقتضا ہے یہ کہا کہ ہم تم دونو بڑے سچے دوست ہوتے اگر تم کو تمہارا وزیر افلاس بہکاتا۔ اور تمہارے کان خوف اور تعصب سے نہ بہرتا ترا موذی ہے اسکا جواب طمع نے دیا کہ یہی خیال مجھے بھی تمہارے وزیر تونگری کی طرف ہے۔ وہ میرے وزیر افلاس سے بہی زیادہ ستیاناس ملانے والا ہے۔ کیونکہ جو ہمیشہ استراحت اور عشرت کی صلاح دیتا ہے اور کوئی ضروری احتیاط آئندہ احتیاجوں کے لئے نہیں کرنے دیتا۔ اسطرح سے وہ ان تمام اصول کو جنپر میری سلطنت کی بنا قائم ہے برباد کرتا ہے بعد اس مباحثہ کے دونو میں اس بات پر صلح ٹہیری کہ اپنے اپنے وزیروں کو دونو برطرف کردیں جب اس صلح کے موافق وزیر موقوف ہوگئے تو جو ان میں اختلافات چہوٹی چہوٹی باتوں میں تھے مٹ گئے۔ اور پہر وہ آپسمیں نیک دوستوں کی طرح رہنے لگے۔ جو کچھ فتوحات ہوتیں وہ آپسمیں تقسیم کرلیتے۔ یہی وجہ ہے کہ عیش و طمع دونو ایک دل میں رہتے ہیں۔ اور ایک ہی آدمی کو وہ آپسمیں تقسیم کرلیتے ہیں۔ طمع بجاے تونگری کے عیش کراتی ہے اور عیش بجاے افلاس کے طمع بڑہاتی ہے +

بانویں ذہن کی کجی

ذہن کی کجی نے تصنیفات کے محاوروں کو ایسا سرگردان کیا ہے کہ جنکے سرپاؤں ملے ہوئے اور جو تروں سے کان گتھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اُن کی پریشانی بیماروں کے خواب کی پریشانی سے زیادہ ہے۔ ان کا حال ایسی تصویروں کا سا ہے کہ جن میں خوبصورت عورت کے ساتھ مچھلی کی دُم لگی ہوئی۔ اور گھوڑے کے دھڑ پر آدمی کا چہرہ بنا ہوا چوپایوں کے ہاتھ پاؤں پر پر لگے ہوئے اور پرندوں کے پروں کے نیچے چوپایوں کے ہاتھ پاؤں جمے ہوئے ہیں جیسی ان تصویروں کے دیکھنے سے ہنسی آتی ہے اور مصور پر دیوانگی کا احتمال ہوتا ہے۔ ایسی ہی تصنیفات پر ہنسی آتی ہے اور مصنف کے سودائی ہونے کا خیال ہوتا ہے

ناموری اور برتری کی خواہش و عزت کی طلب

کیا تعجب ہے کہ حضرت انسان باوجود ضعیف البنیان اور ناتوان اور ناقص و ناکامل ہونے کے دل سے خواہاں اپنی تعریف کے ہوں اور اُس کے لئے حتی المقدور سعی اور کوشش کریں۔ اور اپنی جہالت بجہالت مصیبت زدگی و نقص کی تعریف کے لیے جھگڑا کریں انسان کا حال ایسا ہی کہ فی نفسہ اس میں کوئی بات فخر کی نہیں مگر ہاں جب وہ اپنا اور حیوانوں کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے تو اُن کی نسبت اپنے عیب و نقص کم پاتا ہے اس وصف اضافی کی سبب سے وہ اپنے تئیں اشرف المخلوقات جانتا ہے اور اُس پر فخر و مباہات کرتا ہے غرض گو اس میں ذاتی کمال نہیں ہے مگر اضافی کمال ضرور اُس میں ہے۔ اس بات کو احمق اور عاقل جدا جدا خیال کرتے۔ دانا خود بالذات منور ہونا چاہتا ہے۔ احمق اوروں کے نور سے چمکنا چاہتا ہے۔ دانشمند اپنے عجز و ناتوانی کو دیکھ کر متکبر ہوتا ہے احمق اوروں کی عاجزی کو دیکھ کر متکبر ہوتا ہے عقلمند اپنی ضرورتیں اور احتیاج جتنی کم ہوں اتنا خوش ہوتا ہے۔ نادان اپنے پاس ضرورت سے زیادہ چیزوں کی افراط دیکھتا ہے عاقل جب خوش ہوتا ہے کہ خود دل اُسکا تعریف کرے۔ احمق جب مسرور ہوتا ہے کہ اور لوگ اُسکی تحسین و تعریف کریں

انسان کے دل میں جو اپنی تعریف و ستائش کا جذبہ اُٹھتا ہے تو وہ بیہودہ اور بر خلاف
عقل ہو مگر وہ انسان کے حق میں ایسا مضر نہیں کہ بالکل معدوم کر دیا جائے۔ وہ اُس کو پاجی
اور سفلے پنے کی باتوں سے روکتا ہے شاندار اور معزز کاموں کی طرف متوجہ کرتا ہے
گو اُسکی اصل ناقص ہے مگر اُسکے نتیجے اچھے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ناموری کی تمنا ایسی باتوں میں
بمقتضائے عقل ہو کہ قابل تحسین ہو تو وہ صفات انسانی میں حسانت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر
بمقتضائے خود نمائی اور حماقت وہ ہو تو خراب خستہ کر دیتی ہے۔

(۲) ہر فرقہ کی شہرت و نیک نامی و نام آوری جدا جدا ہوتی ہے۔ اول جلیل القدر عالی ہمت
والا نہمت شجاعوں کا فرقہ ہے اُسکی نیک نامی مہمات عظیم کے سر کرنے میں ہوتی ہے
اُس کی ناموری وہ درخشندہ ہوتی ہے کہ خواہ لوگ کتنے ہی بے صبر ہو کر اور تکلیف
اُٹھا کر اُس کو تاریک کرنا چاہیں مگر وہ تاریکی کا سایہ تک بھی اُسپر نہیں ڈال سکتے۔ دوم معزز
اشرافوں کا فرقہ ہے کہ جنکی نیک نامی انسانیت اور شرافت کے کاموں کے کرنے سے
ہوتی ہے۔ اُن کی شہرت بھی مستقل ہوتی ہے۔ لوگوں کو پسند نہیں ہوتا کہ کوئی اُن کو بُرا
کہے اور ذلیل سمجھے۔ جو اُنکی بدگوئی کرتا ہے اکثر آدمی اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ سوم تاجروں
کا فرقہ ہے جنکی ساری نیک نامی اُن کی ساکھ پر موقوف ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جائے لاکھ رہے
ساکھ۔ اُن کی نیک نامی کا قیام نازک ہوتا ہے۔ جیسا ایک ٹھگ ہاتھ میں چراغ اور خنجر
لیکر کسی کو زخمی کر سکتا ہے اسی طرح ادنیٰ آدمی ساہوکار کی ساکھ پر صدمہ پہنچا سکتا ہے۔
تاجر اپنی دولت کو بہت دور دور پھیلاتا ہے تاکہ وہ اوروں کی دولت سمیٹ کر اپنے
وطن میں لائے اور وطن کی دولت بڑھائے — اس قوم کی دولت بڑھانے والے کو
وہ پاجی خبیث جو ننگ قوم ہے گزند پہنچا سکتا ہے اور ایسی خبریں مشہور کر سکتا ہے کہ جس سے
اُسکی ساکھ اور دولت دونوں میں کمی آئے +

(۳) اگر روح کو جذبات سے خالی تصور کریں تو وہ ایک بے حس و حرکت مردہ ہی ہو جاتی ہے۔

ارادوں میں سست۔ کاموں میں کاہل۔ ان جذبات ہی کا کام یہ ہے کہ وہ سوچ کو ابھارتے ہیں۔ کام پر آمادہ کرتے ہیں تجربہ کو بیدار کرتے ہیں۔ ارادوں میں زور پیدا کرتے ہیں غرض انسان کو اپنے منصوبوں کے سرانجام دینے میں وہی طاقت ور اور اولوالعزم بناتے ہیں۔ یہ کام تو عام سب جذبات کرتے ہیں مگر جاہ طلبی کا جذبہ خاص ان کاموں کی جان ہے وہ دل کو ایسے کاموں پر آمادہ کرتا ہے کہ جنسے عزت۔ شہرت۔ نیک نامی۔ ناموری حاصل ہو۔ غرض ان خیالات کو زیادہ وسعت دیں تو انتظام الہی کے مقاصد بزرگ اس جذبہ کے دل میں رکھنے کے معلوم ہو جائینگے۔

اس دنیا کے لئے ضرور ہے کہ علم و ہنر و فن ایجاد کئے جائیں اور ان کو ترقی دی جائے کتابیں تصنیف ہوں اور متاخرین کے حوالہ کی جائیں۔ قومیں فتح کی جائیں اور سلطنتیں بنائی جائیں۔ ان کاموں کے واسطے اور اور کارہائے بزرگ کے لئے اگر یہہ جذبہ جاہ فقط نیک دل ہی آدمیوں میں پیدا کیا جاتا تو دنیا کی بہت کم ترقی ہوتی۔ اسلئے کام کرنیکے لئے یہ جذبہ جاہ طلبی یعنی نیک نامی اور شہرت کی خواہش کا ہر شخص کے دل میں رکھا گیا ہے اسی کی بدولت بہت سے عطیات الہی جو انسان کو حاصل ہیں نکمے نہیں پڑے رہتے اس کے سبب سے بہت سے بدکار آدمی ایسے کاموں کے کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ جنسے ان کو عزت حرمت اور شان و شوکت ناموری و شہرت حاصل ہوتی ہے جن آدمیوں میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت ہوتی ہے انہیں کے دل میں حب جاہ کام کرتا ہے انکے برخلاف جنکے دل میں کمینگی اور سفلگی ہوتی ہے ان پر اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے کیا انکی عقل و ہوش میں یہ قابلیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ ایسے کام کرنے پر آمادہ ہوں کہ جنسے شہرت و نیک نامی حاصل ہو۔ یا وہ اپنے اغراض اور آرام کے لئے ایسے خیالات ہی نہیں کر سکتا کہ جن سے کوئی بھلائی اور بہبودی ان کی ہو یا مشیت ایزدی نے اس کی روح کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں یہ جذبہ

ہی نہیں بنایا جو دُنیا کے لئے بے فائدہ اور اپنے لئے باعث تکلیف ہو۔
یہ جاہ و شہرت کا جذبہ انسان کے دل میں ایسا ہی قوی ہے کہ وہ اُس کا
پیچھا نہیں چھوڑتا۔ گو اُسکے حاصل ہونے میں نہایت مشکلات پیش آتی ہیں اور جب
حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کے جاتے رہنے کا ہر وقت سنسنا و خوف لگا رہتا ہے
ایسے صاحب ہمت دُنیا میں بہت تھوڑے ہیں کہ جنکو لیاقت ایسے کاموں کے کرنے کی ہو
کہ جن پر ساری دنیا متحیر و متعجب ہو کر تعریف کرنے لگے۔ انتظام الٰہی نے ہم سب کو ایک
ہموار جگہہ پر بٹھایا ہے اور ایک قسم کا تناسب ملحوظ رکھا ہے کہ اگر کسی کو ایک
فضیلت میں کامل بناتا ہے تو دوسری میں ناقص رکھتا ہے۔ ہر شخص کو کمینگی اور پاجی پنے
سے بچانے میں وہ احتیاط اور اہتمام زیادہ کرتا ہے بہ نسبت اسکے کہ ایک فرد انسانی کو
سب سے زیادہ معزز و ممتاز بنا دے جس پر لوگوں کو تعجب ہو۔ جن عالی ہمتوں میں خداداد بڑی
لیاقتیں اور قابلیتیں موجود ہیں اور انہوں نے اُنکو اپنی محنت اور جاں فشانی سے
درجہ کمال پر پہنچایا ہے میں پوچھتا ہوں کہ کتنے ایسے ہیں کہ جنکی نیکیوں اور خوبیوں
کی روشنی کو آدمی دیکھیں اور اپنی جہالت تعصب حسد سے اُنکی تاریک کرنے میں سعی نہ کریں
بعض آدمی تو ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکو شرافت اور پاجی پنے کے کاموں میں تمیز
کرنے کی لیاقت نہیں ہوتی۔ بعض بدنیت خبیث ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اوروں کے
بھلے کاموں کو ہمیشہ بدنیتی اور خود غرضی پر محمول کیا کرتے ہیں بعض بالقصد اُن کاموں
کو غلط بیان کیا کرتے اور اُن کے مقاصد کو غلط سمجھتے ہیں یہ سب باتیں ایسی جمع ہو جاتی
ہیں کہ جتنی اُن پر غور کیجاتی ہے اُتنا ہی یہ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جتنی آرزو نیک نامی
و ناموری کی کرتا ہے اُتنا ہی وہ ناکام رہتا ہے۔ کیٹو کی سب سے زیادہ تعریف اسی بات
کی ہے کہ جتنا وہ نام آوری سے گریز کرتا تھا۔ اتنا ہی وہ زیادہ نیک نام ہوتا تھا۔ آدمی کا
دل جن باتوں کو زیادہ چاہتا ہے اُنہیں اور آدمی جرح قدح کرنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں

اور خفیانہ اپنا دل خوش کرتے ہیں جب وہ عالی ہمت اور والا ہمت آدمیوں میں دیکھتے
ہیں کہ اُن کو ناموری اور جاہ طلبی کی بڑی خواہش ہے تو بجائے تعریف کے حسد کرتے
ہیں یا اُن کی ستائش میں بخل اور خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ وہ جب اُنکی تعریف سُنتے
ہیں تو کہتے ہیں کہ لوگ اپنی مہربانی سے اُن کے حق میں یہ کلمات خیر فرماتے ہیں ورنہ
وہ کسی تعریف کا استحقاق نہیں رکھتے جنکی طبیعت اس خیانت سے خالی ہے وہ بھی
زیادہ تر تعریف سُننے سے کان اپنے کہڑے کرتے ہیں اور خوف کرتے ہیں کہ وہ کہیں
اور دل کے خیال میں اُن سے زیادہ معظم اور بلند پایہ نہ ہوجائیں۔ تعریف و مدح کی آرزو عالی
ہمت سے بڑی خفیف حرکتیں ضرور کراتی ہے جس سے اُسکی نیک نامی میں بٹا لگتا ہے
اُس کو بڑا خوف یہ لگا رہتا ہے کہ لوگ میرے کاموں پر یہ گمان نہ کریں کہ میں اپنی ذات کے
لئے کرتا ہوں۔ جتنے میرے حقوق دنیا میں تلف ہوجائیں اور جس تعجب و حیرت سے لوگ میری
تعریف کرتے ہیں اُسمیں نقصان نہ آجائے۔ ان وجوہ سے وہ خالی بڑی شیخی اور نمود کی
باتیں بناتا ہے۔ اور اپنے کاموں کو بڑی دھوم دھام اور جوش خروش سے مشتہر کرتا ہے
ہمیشہ گفتگو اپنی جانبداری کی کرتا ہے اور ساری گفتگو میں اُس کی ایسی رموز اور کنایے
ہوتے ہیں کہ جن سے اُس کے کاموں کی مدح مترشح ہوتی ہے۔ اور اور دل کے کاموں کی مذمت
جب کام بڑے معظم و معزز نہیں ہوتے تو وہ اُنکی روشنی کو زیادہ وسعت میں پھیلاتا ہے
جس سے وہ مدہم ہوجاتی ہے۔ جن آدمیوں کو عالی جاہ ہونے کی تمنا ہوتی ہے اُن سے ایک
بڑی قدرتی صنعت ہوتا ہے کہ جس سے وہ باتیں کرتا ہے اُنکی حقارت و ذلت دل میں ہوتی
ہے۔ اور یہی خصلت جسکے سبب سے وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اُس کی تعظیم لوگوں کے دلوں میں
نہیں پیدا ہونے دیتی۔ دنیا میں ہنر بینی سے زیادہ عیب بینی کا رواج ہے جو خود نمائی پر ملامت
کرتی ہے۔ اور اس کے بڑے کام کو بھول جاتی ہے سچ ہے کہ اعلیٰ درجہ کے آدمیوں میں
شہرت کی خواہش سے ایک سبک حرکت اور سفلہ پن معلوم ہوتا ہے جس کے دل میں اصلی اور

مستحکم عظمت اور بزرگی ہوتی ہے۔ تو وہ دنیا کی مدح و ذم کی پرواہ کچھ نہیں کرتا۔ اور زیادہ
کی نرم آوازوں اور فساد کی باتوں کے جھگڑوں سے اپنے تئیں پرے رکھتا ہے۔ انہیں آدمیوں کی
تعظیم و تکریم ادب و لحاظ زیادہ ہوتا ہی کہ جو ہم سے اور نیکی کی راہ بزرگی میں با قاعدہ چلتے
ہیں اور کچھ اسکی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم اُن کی نسبت اچھی یا بُری رائے رکھتے ہیں۔

ہم کو بے غرضانہ انسان سے محبت کرکے کام اس طرح کرنے چاہئیں کہ جس سے ہمارے
کردار اور پروردگار کی عظمت و شان نمایاں ہو۔ جو لوگ اپنی خودغرضی اور ناموری کے
لیے عمدہ کارہائے عظیم کرتے ہیں۔ ان کے کرنے والوں کی دلیری بہادری اور کوئی نیکی
نہیں ظاہر ہوتی۔ اسی سبب سے یہ تمام رائے اور فیصلہ جو لوگوں کی عادت میں داخل ہے
کہ وہ آدمیوں کی نیک نامی اور ناموری کے کاموں کو خودنمائی اور خودغرضی پر حمل کرتے
ہیں وہ بالکل بے اصل نہیں ہوتا۔ خلاصہ اوپر کے بیان کا یہ ہے کہ نیک نام اور ناموری ہونا
بڑا مشکل ہے خاص کر اس شخص کو جو اس کی تمنا رکھتا ہو۔ اسلیے کہ بہت سے آدمی تو اپنی
خباثت کے سبب سے اُسکی جاہ طلبی و خودنمائی سے نمود کرنے سے باز نہیں رہنے کے۔ اور اُنکی
خود نیک نامی کی تمنا ایسی حرکات ناشائستہ خودنمائی کی کرائے گی کہ جس سے اُن کی عزت
اور ناموری میں بٹا لگے گا۔ اور اسکی عالی نفسی میں خفت اور سبکی نمایاں ہوگی۔

شہرت اور عزت دونوں بہت آسانی سے جاتی رہتی ہیں جیسا ان کا حاصل ہونا دشوار ہے
ایسا حاصل ہونے پر اُن کا باقی رکھنا اور سنبھالنا مشکل ہے۔ اس مطلب کو ہم آگے بہت
تفصیل سے لکھتے ہیں۔

(۳) دنیا میں جب کسی کو چڑھتا بڑھتا دیکھتے ہیں تو انسان اپنی ایک قدرتی خباثت کے
سبب سے اُس کے پیچھے پڑتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کوئی عیب اس میں پایا نکالوں کہ لوگوں
میں بجائے اُسکی قدر و منزلت کے اُس کی خواری و ذلت ہو جائے۔ یا ہیں جو لوگ اُس کی ہمت
پیدا ہوتے ہیں اور سب طرح سے اُسکی برابر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ جب سے اپنے سے بلند دیکھتے ہیں

ہو جاتے ہیں کہ اُس کی ٹانگ گھسیٹ کر پھر اپنی برابر کھینچیں اس غرض سے کبھی تو اُسکے نگرداشت
کام کی مذمت کرتے ہیں کبھی اُس کے چال کی لیاقت اور قابلیت کے کاموں کا خاکا اُڑاتے
ہیں۔ ایسے ہی اِن لوگوں کا حال ہے کہ جو اُنکو پہلے اپنے سے نیچا دیکھتے تھے اب اُسکو
بلند ہو کر اپنی برابر آتا ہوا دیکھتے ہیں تو حسد کرتے ہیں اور خوف کرتے ہیں کہ وہ کہیں ہم سے
زیادہ بلند نہ ہو جاوے اسلئے اُسکی لیاقت اور قابلیت کے کاموں کو خاک میں ملاتے ہیں۔
غرض ہمسر اور برتر دونو اُسکی عزت کے کمتر بنانے کے درپے ہوتے ہیں جب کوئی آدمی
برتری حاصل کرتا ہے اور اپنی لیاقت اور قابلیت کے جوہر دکھاتا ہے تو اُسکے سارے کاموں کی
طرف لوگوں کی نظریں لگی رہتی ہیں اور اُسکے ذرا ذرا سے کاموں پر عیب گیری اور نکتہ چینی
ہوتی ہے اور جہاں کسی کام میں اُسکو صنعت دیکھتے ہیں تو بڑی خوشیاں مناتے ہیں اور
جب اُسکی لیاقت کی تعریف اور نیک نامی سُنتے ہیں تو بعض آدمی اُسکی مخالفت پر کمر باندھتے
ہیں اور اُن کو جھٹلاتے ہیں اور اُسکے خصائل کی بدیوں کی خبروں کو اُڑاتے ہیں۔ اپنی
خباثت کے سبب سے جو اُسمیں بُرائیاں معلوم ہوتی ہیں اُن کو مغرورانہ شائع کرتے ہیں اور
اپنی رائے اور فیصلہ کی بڑی تعریف کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نے وہ بات دریافت کر لی
جو سب کی نظروں سے مخفی تھی جسکی تعریف تمام دنیا کی کر رہی تھی اسکی غلطی پکڑ لی۔
بعض آدمی یہ آہو گیری اور عیب بینی اسلئے کرتے ہیں کہ اُس سے اُن کے دل کو ایک چین یا
اور آرام ملتا ہے — جن عیبوں اور خطاؤں سے وہ اپنے تئیں بری سمجھتے ہیں اور اُن کو
دوسرے شخص میں دیکھتے ہیں تو اُن کے اشتہار دینے میں درپردہ اپنی اس خوبی کا اظہار
بھی مدنظر ہوتا ہے کہ اِن بُرائیوں سے ہم بری ہیں۔ گویا اُسکی ہجو کرنی اپنی مدح کرنی ہوتی ہے اور
اس خود نمائی پر وہ بڑے پھولتے ہیں کہ جو ایک بڑے نامور مشہور آدمی میں عیب نقص ہو وہ
ہم میں نہیں ہیں اس سبب سے ہم اُس سے برتر ہیں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ بُرائیاں
اور عیوب جو اپنے میں ہوتے ہیں وہ کسی جلیل القدر نامور میں بتلاتے ہیں تاکہ وہ لوگ

کے اندر عیوب میں مساوات ہوجائے۔ اسکا خیال نہیں کرتے کہ ہم کسی برائی میں کسی بڑے آدمی کے برابر ہوگئے تو اس میں کیا فخر ہے۔ کیا فقط اس ڈینگ پر مرتے ہیں کہ ہم میں اگر عیب ہیں تو ایسے ہیں جو بڑے بڑے آدمیوں میں ہوتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ اس طرح وہ برائی کے الزام سے بری نہیں ہوسکتے۔ مگر وہ اپنے تئیں جتانی ہمسر ایک بڑی آدمی کا اسطرح بنا لیتے ہیں۔ معززین کے بے عزت کرنے کے یہ آلات ہیں جن کو لوگ کام میں لاتے ہیں مگر اپنے کام میں کامیاب نہیں ہوتے کسی صاحب لیاقت کے نالائق بنانے میں جو ذہانت صرف کرتا ہے وہ اپنی خاک آپ اڑاتا ہے۔ جو معمولی آدمی ہیں ان کی ہجو کو لوگ ایسی توجہ سے نہیں سنتے جیسے کہ کسی عالی مقام والاجاہ کی مذمت کو جسکی خوبیوں اور لیاقت کی ایک دھوم مچ رہی ہے۔ مگر اسکے لئے بڑی لیاقت اور ہنر درکار ہیں کہ کسی صاحب لیاقت کی ہجو کے قابل ہو ایسی مذمت کرے کہ جس سے وہ ہجو سننے والوں کی برابر یا ان سے کمتر ہو جائے۔

اس اوپر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معزز آدمی کے لئے عزت اور بدنام کرنے کے کیسے باریک پیچدار طریقے ہیں اور کتنے خبیث جاسوس اس کے عیبوں اور نقصوں کی مخفی جاسوسی کر رہے ہیں جنکی اس کو خبر نہیں کہ وہ ان کا تدارک کرے۔ قاعدہ ہے کہ جب ہم کو کسی جلیل القدر والاجاہ صاحب کمال کی قربت حاصل ہوتی ہے اور ہم اس سے خوب واقف ہو جاتے ہیں تو اسکی لیاقت کی طرح جس تعجب وحیرت کے ساتھ پہلے کرتے تھے پھر نہیں کرتے۔ یہ واقفیت اسکی قدر ومنزلت اسکی ہماری نگاہ میں کم کر دیتی ہے۔ ہم بہت ہی کم کسی نامور کا حال ایسا سنتے ہیں کہ جسکے ساتھ اسکے چھوٹے چھوٹے عیبوں اور نقصوں کی فہرست نہ لگی ہو۔ اسکی وجوہ یہ ہیں۔ اول اسکی چال چلن میں ذراسی لغزش بھی بہ نسبت کسی اور شخص کے بڑی نمائش سے نمایاں ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی خصلت سے جدا معلوم ہوتی ہے۔ دوم ناممکن ہے کہ کسی انسان کی زندگی بھر کے چھوٹے چھوٹے اور بڑے

متواتر کار ہا نمایاں کرتا رہے۔

(۵) بعض آدمی یہ خیال کرینگے کہ آدمی کے دل میں جو یہ جذبہ شہرت اور ناموری حاصل
کرنے کا اُٹھتا ہے اس میں کوئی بڑی خوشی ہوتی ہوگی کہ اُسکے حاصل کرنے میں ایسا
پھر اپنے اوپر اُٹھاتا ہے مگر اسمیں تھوڑی خوشی ہے۔ اور پھر آدمی کو اس اور تعجب
ہوتا ہے کہ باوجود ایسی قلیل خوشی کے اسکے پیچھے لوگ اس کثرت سے کیسے پڑتے ہیں اور سعی
اور کوشش بے حد و نہایت کرتے ہیں بلند نظری دل میں ایک جھگڑا اٹھاتی ہے
اور ایک خیالی بھلائی کی طرف دل کو متوجہ کر دیتی ہے۔ اور اُس میں بڑی جلدی کراتی ہے
نہ اُس کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ اِس خیالی بھلائی کو کم کر دے اور نہ اُس کو حاصل
کرانے میں اطمینان دلادے۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جنکی طلب میں ہم
بیتاب ہوتے ہیں مگر اُن کے واسطے صبر کر سکتے ہیں یا بالکل اُن کی طلب کو دور کر سکتے
ہیں۔ یا کم تھوڑی دیر کے واسطے اُس کو ٹھہرا سکتے ہیں مگر یہ شہرت ناموری کی طلب ایسی ہے
کہ اُس میں کامیابی ہمارے اختیار سے پرے ہے وہ تھوڑی دیر کے لئے دل میں جوش
پیدا کر دیتی ہے مگر اُس کے ساتھ ہی اِس خوشی کے لئے جی کو بے چین اور بے قرار کرتی ہے
ابھی اُسکی ایک خواہش پوری نہیں ہوتی کہ ایک دوسری خواہش پیدا کرتی ہے اور دلکو
نئی مہمات کے واسطے آمادہ کرتی ہے۔ بہت ہی تھوڑے ایسے بلند نظر عالی ہمت دنیا
میں ہوئے ہونگے کہ جنکو حسب دلخواہ خاطر خواہ شہرت ناموری حاصل ہوئی ہو جب وہ
مشہور اور ناموری ہو جاتے ہیں تو اور زیادہ مشہور ہونے کی ہوس اُن کے دل
میں ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ گمنامی کی حالت میں تھی۔ قیصر روم کی سب سے زیادہ
تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ اکثر اپنے گھر یہ کہا کرتا تھا کہ وہ اپنی زندگی اور شہرت سے
خوش ہے۔

(۶) آدمی جو شہرت حاصل کرنے کے خیال کو چھوڑ دیتے ہیں اسکے یہ سبب ہوتے ہیں

کیا تو ان کو بالکل مایوسی اس سے ہو جاتی ہے۔ یا ان کو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں
خوشی کم ہے یا اُنکو زیادہ صحیح آگاہی ہو جاتی ہے۔ یا بڑی عمر کو ضعف کے سبب سے کوئی
شہرت نامور آدمی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اُس نے اس خیال کو اس سبب چھوڑا ہو کہ پوری ناموری
خاطر خواہ حاصل ہوئی ہو۔ صرف شہرت ہی دل کو بے اطمینان نہیں کرتی بلکہ دل کو اس کی
خواہش بہت سی تکلیفات دیتی ہے۔ ان تکلیفوں سے وہ لوگ بری ہیں جو اس شہرت کے
بہت درپے نہیں ہوتے۔ عالی ہمت بلند نظر بہت دفعہ نیچا دیکھتے ہیں اور جہاں ان کو
تعریف کی توقع ہوتی ہے وہاں وہ مایوس ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کے دل کو قلق اس
سبب سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاموں کی جس اعلیٰ درجہ کی تعریف چاہتے تھے وہ نہیں ہوئی
کیونکہ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جنکی رائے اُن کے کاموں کی طرف ایسی ہو
جیسی کہ خود اُنکی۔ تعریف کی کمی کی صورت میں دل کے قلق کی کیفیت یہ ہو تو معلوم
نہیں کہ دل پر جب کیا گذرتی ہوگی کہ کاموں کی مذمت اور بدنامی ہوتی ہوگی۔ انسان کی
طبیعت جو شہرت کی خواہش پیدا کرتی ہے وہی مذمت سے نفرت دلاتی ہے۔ جب
آدمی بے حد تعریف سے خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا ایسی وہ مذمت سے بیدل اور
اُداس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سمجھو کہ ایک عالی ہمت بلند نظر کی خوشی جاہ طلبی میں کیسی
کم ہے۔ کہ وہ ہر شخص کا محکوم اس طرح بنتا ہے کہ اُسکے برے بھلے کہنے پر اُسکی رنج و خوشی
موقوف ہی اور ہر خبیث کی زبان کو اختیار ہے کہ اُسکی مذمت کرکے جتنا رنج چاہے
اس کو پہونچائے +

(٧) دنیا کا قاعدہ ہے کہ وہ عیب گیری اور عیب بینی بہ نسبت ہنر بینی و صواب اندیشی
کے زیادہ کیا کرتی ہے۔ اور انسان میں خود برائیاں بھلائیوں سے زیادہ ہوا کرتی ہیں۔
پس ان دونو صورتوں میں مدح کی طلب سے کیسی دل کو کم خوش ہونے کی امید
ہو سکتی ہے + ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی نیک نامی کے جاتے رہنے کا

رنج ہوتا ہے اتنی انکے حاصل ہونے سے خوشی نہیں ہوتی۔ پس اس خیالی خوبی کی موجودگی کی صورت میں ہمکو ایسی خوشی نہیں ہوتی جیسے اُس کی عدم موجودگی میں رنج ہوتا ہے اسلئے کہ جب کوئی چیز ہمکو حاصل ہوتی ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خوشی کی قابلیت کتنی ہے۔ مگر اُسکی محرومی و مایوسی کے رنج کا اندازہ اسکی اصل کیفیت سے نہیں کر سکتے مگر اپنے خیال و تصور سے جو اس کو بہت بڑھا دیتا ہے۔

یہ معلوم ہوا کہ شہرت نیک نامی ہم کو خوشی کم کرتی ہے اور رنج زیادہ دیتی ہے اُس کی آرزوؤں میں ایسی آگ لگا دیتی جو اُس کے ہونے سے ایسی بجھتی نہیں جیسی نہ ہونے سے وہ بھڑکتی ہے۔ اس سے جو تھوڑی سی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ بھی اوروں کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور جو رنج اس کا ہے وہ بے ٹھکانے ہے۔ ہم کو فقط مذمت ہی سے قلق نہیں ہوتا بلکہ ان لوگوں کی خاموشی سے بھی مایوسی ہوتی ہے اور رنج پہونچتا ہے۔ جنسے کہ یہ توقع تھی کہ وہ ہماری تعریف میں زبان پر مہر لگائینگے۔

(۸) سچی عزت و برتری جڑ کی طرح پھیلتی پھولتی پھلتی ہے۔ جھوٹی عزت و عظمت پھولوں کی طرح جلدی گر کر خاک میں لوٹتی ہے۔ سچی عزت نیکی کا سایہ ہے۔ اگر نیکی معدوم ہو تو وہ اسکے ساتھ معدوم ہوتی ہے۔ سچے ہی معزز و معظم کی لوگ عزت کرتے ہیں اُس کو سعادتمند جانتے ہیں۔ تعجب و حیرت کے ساتھ تعریف کرنے میں وہی ان باتوں کا مستحق ہوتا ہے +

تصنیفات کی قسمت

مسلمانوں کی عادت ہے کہ وہ جب کوئی لکھا ہوا کاغذ راہ میں پڑا دیکھتے ہیں تو اُسکو اُٹھا کر کسی کونے میں یہ سمجھ کر رکھ دیتے ہیں کہ اُس پر خدا کا نام یا قرآن شریف کی آیت نہ لکھی ہو۔ پس جو لوگ پڑھنا جانتے ہیں اُن کو بھی یہی کرنا چاہئے کہ جب کوئی ایسا کاغذ لکھا ہوا ملے تو ذرا اسے پڑھا کریں اور عبرت پکڑیں کہ زمانہ کا انقلاب ایک دن تمام مصنفوں کی تصنیفات کا حال یہی بنائیگا کہ اُن کے اوراق خاک میں رُلتے پھرینگے۔ ان میں پنساری عطار پڑیاں باندھینگے اور آتش بازی

مشقت و ریاضت ثمرہ پاتے ہیں کوئی اُن پر حملآور نہیں ہوتا۔ لیکن مصنف جو اپنے تئیں
سب سے علیحدہ ہو کر مخلوق کی عجائبات کو سوچتا ہے۔ جذبات انسانی کی منضبط و مغلوب کرنے
کی تدابیر بتلاتا ہے۔ انقلابات عالم کے سبب بیان کرتا ہے جس تحقیقات میں اسکی عمر بسر ہوئی
ہے اُسکے نتیجے اوروں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اُسکے سلسلے سے مضامین لوگ چراتے ہیں۔ مگر ان
چرانے والوں کو کسی قانونی سزا کا خوف نہیں ہوتا نہ اُن کا کوئی کچھ کر سکتا ہے نہ اُن کو
کچھ کہہ سکتا ہے۔ ادہر کوئی کتاب نظم۔ نثر۔ وعظ پند میں شائع ہوئی اُدہر انہوں نے اُس کو
چھوٹی جلد میں چھپوا کر اپنا ارزاں بیچنا شروع کیا جیسے کہ چوری کا مال سستا بکتا ہے۔
اُن سے آدمیوں کا نام قزاق۔ راہ زن۔ ٹھگ۔ چور۔ ڈاکو جو کچھ رکھا جائے مناسب ہے +

ادب اور تعظیم میں ریا

تعظیم و تکریم اور ادب کے قاعدے رسم و رواج کے موافق ایسے بن گئے ہیں کہ اُن کے لئے
جو الفاظ زبان سے کہے جاتے ہیں اُن کے معانی دل میں ذرا بھی نہیں ہوتے۔ اُن کی
پابندی کے سبب سے دل میں جتنی محبت اور الفت کسی کے ساتھ ہوتی ہے اُس سے بہت زیادہ
الفاظ میں ظاہر کی جاتی ہے۔ اس سبب سے وہ ہماری زبان کو جھوٹا بناتے ہیں لیکن اگر کوئی
شخص دوسرے آدمی کی جتنی تعظیم دل میں ہو اتنی کرے اور جتنی محبت دل میں ہو اُسی کو
ظاہر کرے تو وہ نہایت ناشائستہ اور نامعقول گنوار جانا جائے گا۔ اسلئے ہم کو مجبوری
یہ ریاکاری کرنی پڑتی ہے۔ مگر ریاکاری کو یوں سمجھنا چاہیے کہ الفاظ کا حال سکوں کا سا ہے
کہ جب انکی قیمت مقرر ہو جاتی ہے اور وہ رائج ہو جاتے ہیں تو کوئی اُن میں دھوکا اور فریب
نہیں کھاتا۔ ایسے ہی یہ الفاظ جب ایسے محل پر بولے جاتے ہیں تو سب آدمی اُن کا یہ مطلب
سمجھتے ہیں کہ ان کے معانی سے غرض نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک مسلمان جو دوسرے مسلمان کو
سلام علیکم کہتا ہے تو اُسکے معانی کا خیال دل میں یہ نہیں ہوتا کہ میں اُسکو یہ کہتا ہوں کہ تو
دین و دنیا دونوں کی برائیوں سے بچا رہے۔ نہ دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ اُس نے مجھے یہ دعا دی ہے

غرض یہ رسوم تعلیم کی ہم کو ریاکار بناتی ہیں۔ مگر یہ ریا ہم کو نیکی کا لباس پہناتا ہے جس کے پہننے میں ہم کو اسے کچھ کم تکلیف نہیں ہوتی جو اصل نیک بننے میں ہوتی۔ اب مشکل ہے کہ ریاکاری کو ہم چھوڑیں تو ناشائستہ اور بیہودہ بنتے ہیں۔ اگر ریاکار بنتے ہیں تو اپنی زبان کو جھوٹا بناتے ہیں لیکن عقل کا مقتضا یہ ہے کہ ایسی ریاکاری بے ادبی اور بیہودگی سے اچھی ہے +

شرم افلاس

بہت سے آدمی اپنی مفلسی کھاہر ہونے سے شرماتے ہیں اور بہت سی تدبیریں اُس کے چھپانے کی کرتے ہیں خاص کر وہ صاحب جائداد کہ پہلے دولت مند تھے مگر اب اُن کی تمام جائداد قرض میں مکفول و مستغرق ہے۔ لاکھوں روپیہ کی جائداد ہزاروں کے بدلے میں برباد ہو رہی ہے یہ لوگ اپنی جائداد کو بدستور رکھتے ہیں اُس کا کوئی حصہ اس لئے نہیں بیچتے ہیں کہ لوگوں میں کم دولت نہ معلوم ہوں سارے خرچ اپنے بدستور رکھتے ہیں وہی مکان کی آرائش و زیبائش ہے۔ وہی دسترخوان فراخ ہے شادی کی تقریبوں میں جو وہ پہلے خرچ کرتے تھے اب بھی خرچ کرتے ہیں اگر باپ بھی کے لڑکے کی چھٹی میں چھ سال کی آمدنی خرچ کی تھی تو اب بھی ہر سال بچہ کے پیدا ہونے میں چھ سال کی آمد کو خرچ کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ہم اس حرکت سے شریف فقیروں کی تعداد بڑھاتے ہیں اس شرم کے مارے کہ ہم جیسے اصل میں مفلس ہیں لوگوں کو نہ معلوم ہوں۔ سارے اپنی امیری کے ٹھاٹھ بدستور رکھتے ہیں مگر اُسے ان کا دل خوش نہیں ہوتا ظاہر میں شادی کرتے ہیں مگر دل میں غم کھاتے ہیں دوستوں کے ساتھ جلسوں میں شریک ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہیں مگر کسی چیز میں اُن کو لطف و مزہ نہیں آتا۔ افلاس کی شرم اُن کے دل میں کانٹے سی چبھتی ہے۔ اُن کے تمام کارخانوں پر اُداسی چھا جاتی ہے مفلسی برسنے لگتی ہے غرض ایک لوگ تو یہ ہیں کہ مفلسی کی شرم ظاہر ہونے کے سبب سے یہ خود نمائی فضول خرچی کرتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں کہ افلاس کے خوف سے

جب آدمی کے دل میں کسی جذبہ کا جوش اٹھتا ہی تو اسکے آثار چہرہ پر ظاہر ہوتے ہیں آنکھوں ہی کی چتونیں کتنے حال دل کے بتلاتی ہیں۔ التفات۔ قہر غضب۔ حقارت۔ عزت میں جو کچھ جو دل میں ہوتا ہے اُس پر وہ مطلع کرتی ہیں عاشقوں کے واسطے تو چہرہ ایسا خاموش تماشا ہے کہ وہ اسے ہی دیکھکر مایوس۔ بیجان۔ ناراض۔ خوش ہوتے ہیں جب آدمی کسی ترش اور سرکہ جبیں دیکھتا ہی تو اُس کی بیوی کے حال پر رحم کرتا ہے جب کسی کو خندہ پیشانی دیکھتا ہی تو جانتا ہے کہ اس سے تمام اسکے دوست آشنا عزیز اقربا خوش رہتے ہونگے ایک بڑے نامور عاقل کے پاس ایک شخص کھڑا تھا۔ اُس نے اس عاقل سے کہا کہ کچھ بولو تو میں جانوں کہ تم کیا ہو۔ اُسنے جواب دیا کہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ ہمارا حال ہمارے چہروں کے آثار سے جیسا معلوم ہوتا ہے ایسا الفاظ سے نہیں۔ اجیسا کہ آسانی آدمی اپنی زبان کی تلبیس سکتا ہے ایسے چہرہ کے آثار کی نہیں کرسکتا۔ غرض چہرہ کے آثار جیسا دل کا حال بتلاتے ہیں ایسے اُسکے خط وخال نہیں بتلاتے۔ کیونکہ چہرہ کے آثار تو دل ہی کے حال سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ تو دل کی حالتوں کے آئینہ ہوتے ہیں جیسا کہ کتاب کا عنوان ٹائیٹل پیج ہوتا ہی ایسے ہی دل کا عنوان چہرہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے قیافہ کو ایک فن بنایا ہی اور آدمی کے چہرہ کی بناوٹ کو دیکھکر اُس کی طبیعت اور مزاج کے حال دریافت کرنے کے قواعد منضبط کئے ہیں وہ چہرہ کے خط وخال اور بناوٹ سے طبیعت کا حال ایسا نہیں دریافت کرسکتے جیسے کہ چہرہ کے آثار سے وہ لوگ جو اس فن سے ناآشنا ہیں ایک بڑا قیافہ داں لکھتا ہے کہ آدمی کے چہرہ کا سانچہ ایک مشابہت بعینہ بیل۔ شیر۔ سور۔ بھیڑیا کسی اور مخلوق سے رکھتا ہے پس جیسے اُسکے چہرہ کو ان جانوروں میں سے کسی چہرہ سے مشابہت ہوتی ہی ویسی اُس کے دل کو بھی اُون کے دل سے مشابہت ہوتی ہی اور اُس میں وہی صفات پائی جاتی ہیں جو اُس جانور میں پائی جاتی ہیں مثلاً ایک شخص کا جسم و شکم کا ماہم ... تھا اور بہادری ... [illegible]

بانی ہوائے کی۔ اصول یہ قرار پایا ہے کہ ایک قسم کی روحیں ایک قسم کی مسکن میں رہتی ہیں
مگر یہ اصول غلط ہے اسلئے کہ یہ امر آدمی کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے چہرہ کی علامات کے خلاف
اپنی عادات بنالے۔ چہرہ اس جانور کے چہرہ کے مشابہ تہا اگرچہ مکار۔ ظالم۔ شریر ہوتا ہے
مگر وہ اپنے تئیں صادق بے ریا۔ عادل۔ نیک مزاج بنا سکتا ہے جو بالکل ان قدرتی علامات
کے خلاف ہوں۔ اور اس طرح سے اہل قیافہ کی تشخیص کو جہوٹا بنا دے۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ
آدمی نہ اپنی صورت پر خفتہ ہوتے ہیں نہ اوروں کی صورت پر حسد کرتے ہیں بلکہ اپنی تہذیب و
تعلیم سے وہ حسن سیرت پیدا کرتے ہیں کہ حسن صورت سے زیادہ پائدار اور پسندیدہ ہوتا ہے
گو ان کا چہرہ لنگور کا سا ہو۔ مگر وہ حسینوں سے زیادہ اپنی نیک مزاجی کے سبب لوگوں کو عزیز
ہوتے ہیں ایسے آدمی دوچند تعریف کے مستحق ہوتے ہیں کہ جسم برائی کے واسطے قدرتی
بنایا گیا تہا وہ نیکی سے آراستہ کیا گیا۔ بہت صورتیں ایسی دیکھی ہیں کہ انکی سیرت اور صورت
دونو ساتھی نہیں معلوم ہوتیں۔ سقراط اسکی نہایت عمدہ مثال ہے۔ اسکے زمانہ میں ایک شخص علم
قیافہ میں مشہور صاحب کمال تہا وہ چہرہ دیکھکر طبیعت اور مزاج بتلا دیتا تہا کہ کن کن باتوں
کی طرف ان کا میلان ہے۔ سقراط کے شاگردوں کے دل میں آیا کہ استاد کو اس قیافہ شناس کے
پاس لیے چلیے اور اس کا امتحان کیجیے۔ وہ سقراط کو اس پاس لے گئے۔ اس نے پہلے کبھی اس حکیم کو
دیکھا نہ تھا۔ اب اسنے اس کے چہرہ کو خوب دیکھکر کہا کہ یہ شخص بڑا النفس پرست مست شرابی
بوڑہا آدمی ہے۔ یہ سنکر شاگردوں نے بڑا قہقہہ لگایا۔ اور سمجھے کہ آج ہم کو یہ تحقیق ہوگیا کہ یہ
علم بالکل جہوٹا اور لغو ہے لیکن سقراط نے کہا کہ یہ جو برائیاں اس قیافہ داں نے مجھ میں بیان کی
کیونکہ وہ بالطبع واقعی مجھ میں تہیں لیکن میں نے ان کو اپنی علم حکمت کے زور سے معدوم کر دیا
اور میں ان کا محکوم نہیں ہوا۔ پس اس سے آدمی کو چاہیے کہ وہ علم قیافہ کی علامات کا اعتبار نہ کر
کیونکہ آدمی ان سے بالعکس اپنی طبیعت و عادت بنا سکتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ جذبات دلی
کے سبب سے چہرہ پر جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ غلط نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو دل کی کیفیت

لات بھی پیدا ہوتے ہیں انکو آدمی نہ چھپا سکتا ہی نہ بدل سکتا ہے +

(۲۷) کیمپنیلا صاحب ایک بڑا صاحب کمال علم قیافہ میں تھا سو وہ اپنے اس علم کے زور سے
آدمیوں کے چہروں کو دیکھ کر اُن کی خصائل کو اور دلی میلانوں کو بتلایا کرتا تھا سوا اُس کے
اس میں یہ اور کمال تھا کہ وہ جس شخص کا حال قیافہ سے جاننا چاہتا تو اپنے چہرہ اور سارے
بدن کو اسی کے چہرہ اور بدن کے موافق ایسا بناتا کہ یہ نقل مطابق اصل معلوم ہوتی پھر اس طرح
تحویل شکل سے وہ سمجھتا کہ میرا دل بھی مثل اُسکے دل کے ہو گیا۔ پس جب یوں دو جسم اور دل
ایک سے ہو گئے تو وہ اپنے تئیں جانتا کہ میں وہ آدمی بن گیا جو میرے دل کے خیالات اور
حالات ہیں وہی اُسکے ہونگے اس حکمت سے وہ اور دوسروں کے دلوں کا حال ایسا تحقیق دریافت کرتا
گویا کہ وہ منقول عنہ بن گیا۔ اکثر یہ واقع ہوتا ہی کہ جب آدمی کسی غضبناک حلیم خوف زدہ
بہادر آدمی کے چہرہ کی نقل اُتارتا ہی تو خود بخود اس کے دل میں یہ جذبات اُٹھنے لگتے ہیں
غرض جس قسم کے آدمیوں کی صورت کی تقلید کرتا ہی ویسے ہی اُسکے دل میں جذبات پیدا
ہونے لگتے ہیں اگر کسی غضبناک آدمی کی شکل بناتا ہی تو دل میں اُسکے غصہ بھر آتا ہے۔
ایسی صورتوں کی نقل میں ان کی جذبات کا دور کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان کے جسم و روح
میں وہ تعلقات ہیں کہ ایک دوسرے کے رنج و خوشی میں بغیر شریک ہوئے نہیں رہ سکتے۔ اور جس
قیافہ شناس کا ذکر ہوا وہ اپنی توجہ دلی کو جسمانی تکلیفات سے ہٹا کر دوسری طرف متوجہ کرنے
ایسا قادر تھا۔ کہ اگر اسکو شکنجہ میں کھینچتے تو اسکو بہت کم تکلیف معلوم ہوتی تھی۔ یہ تجربہ تو تھوڑی تھوڑی
تکلیفات میں سب کو ہوتا ہے کہ جب آدمی اپنے دل کو اُنسے ہٹا کر دوسری طرف متوجہ کرتا ہے
تو وہ تھوڑی دیر کے لئے معلوم نہیں ہوتیں اب اُس کے برخلاف اگر جسم کو کسی وساطت سے
ایسا بنالیں کہ اس میں وہ حرکتیں نہ پیدا ہوں جو اُن جذبات کے اُٹھنے کے وقت پیدا
ہوتی ہیں تو وہ جذبہ ہی کبھی نہیں اُٹھنے کا خواہ اس کا سبب کیسا ہی اثر کرنے جیسا کہ تم
افیون اور شراب کے نشہ میں دیکھتے ہو کہ وہ برعکس ہماری تمام کوششوں کے غم یا خوف یا غصہ

عملوں کو معطل کر دیتے ہیں اس کا سبب ہوتا ہے یہ وہ نشہ جسم کو ایسا بنا دیتا ہے کہ جوان جذبات
سے اس میں حرکتیں پیدا ہوا کرتی ہیں نہیں پیدا ہوتیں +
(۳) انسان کی ساخت میں قیافہ کو بڑا دخل ہے چہرہ کی نزاکت لطافت خوبی یہ سب کی
نیکیوں کو بتلاتی ہیں جنکے سبب یہ کیفیتیں چہرہ میں پیدا ہوتی ہیں یہ جسمانی خوبیاں روحانی
خوبیوں کی ترجمان ہوتی ہیں +
(۴) پہلے جن حکما نے اس فن کو مدون کیا تھا تو اسکی بنا اور حیوانوں کے اعضا کی مشابہتوں
پر رکھی تھی۔ مثلاً ایک شخص شتر گردن ہو تو اس آدمی کو شتر کینہ جانینگے۔ یا کوئی گھر موہا ہو تو اس
میں گھوڑے کی صفات بتائینگے۔ کسی بدن پر بال ریچھ کے سے ہوں تو اس میں ریچھ کی
سی خصائل لیکن اب جو اس فن کی بنا رکھی گئی ہے وہ قوموں کے چہروں کی مشابہت پر رکھی
گئی ہے مثلاً کسی شخص کی صورت شکل کسی قوم کی صورت سے ملتی ہوگی تو اُسے کہیں گے
کہ اس میں وہ خصائل ہونگی جو اُسکی قوم میں ہیں۔ غرض لغو ہیچ یہ فن کبھی سائنس نہیں بن سکتا
اسلئے کہ تعلیم تربیت۔ تادیب آدمی کی طبیعت کو بالکل بدل دیتی ہیں +

تصنیفات

(۱) نیک صفات مصنف چاہتے ہیں کہ ہم جس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اُسکی اصلاح کریں
اور گزشتہ حال کے زمانہ سے آئندہ زمانہ اچھا ہو جائے۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ علم کتابوں میں قید ہو
کتب خانہ کی الماریوں کے قید خانہ میں بند پڑا رہے بلکہ وہ اُس کو یہ چاہتے ہیں کہ وہ زبردستی
لوگوں کے دلوں [illegible] ناگھر بنائے مغزوں اور کاسوں پر پڑا رہے اسلئے وہ کیا تو اپنی تصنیفات
کے ٹکڑے الگ الگ کرکے اشاعت کرتے ہیں یا ایک کتاب میں سب کو جمع کرکے شائع کرتے
ہیں ان کا حال طبیبوں کا سا ہوتا ہے کہ کوئی اُن میں سے اپنے مریضوں کے واسطے ایک لمبا چوڑا
نسخہ لکھتا ہے جسمیں بہت دوائیاں ہوتی ہیں جسکے سبب مریض کو ایک ملغوبہ کا قدح پینا پڑتا
ہے کوئی فقط کسی عرق کے دو چار قطرے بتا دیتا ہے یا دو ارتی دو رتی کھلاتا ہے پس جو

مصنف پہلے طبیبوں کی طرح اپنی تصنیفات کی بڑی کتاب بنا ہیں ان پر یہ یونانی ضرب المثل
صادق آتی ہے کہ ایک بڑی کتاب عذاب جان ہوتی ہے جو مصنف کہ تصنیفات کی اجزا
چھاپتے ہیں جیسے کہ اخباروں اور موقت رسالوں میں تو ان کا حال دوسرے طبیبوں کا سا ہے
اگر ان کی تصنیفات کے یہ اجزا گروہا گروہ آدمیوں کو یہ فائدے پہنچاتے ہیں کہ انکی عقل بڑھاتے
ہیں ان کی فہم کو صاف کرتے ہیں ان کی گرانی غم کو مسرت سے ہلکا کرتے ہیں تو ان پر یہ مثل صادق
آتی ہے کہ دانائی باہر کھڑی پکار رہی ہے۔ بازاروں اور گلیوں میں آواز دے رہی ہے شہر کو
میں چلاتی ہے۔ ان مکانوں کے دروازے کھٹ کھٹاتی ہیں جہاں آدمیوں کا مجمع ہے کہ
اے میرے بھولے بھالے کب تک تم سادہ لوح اور احمق رہو گے۔ علم سے عداوت رکھو گے
جہالت کو پیار کرو گے۔ اپنے تئیں جلاتے رہو گے؟ +

(۴۲) ارسطو کا قول ہے کہ خیالات الٰہی کی نقل دنیا ہے اور دنیا کی نقل خیالات انسانی ہیں
اب اسپر یہ اضافہ ہونا چاہیے کہ خیالات انسانی کی نقل الفاظ ہیں اور الفاظ کی نقل تحریر اور
چھاپہ ہے جیسے خیالات الٰہی مخلوق میں منطبع ہیں ایسے ہی خیالات انسانی کتابوں میں
چھاپنے جو زمانہ حال کا ایجاد ہے کتابوں کو چاند سورج کی طرح دیرپا کر دیا ہے۔ وہ قیامت
ہی کے دن زمین آسمان ستاروں کے ساتھ فنا ہونگی۔ انسان کے دل میں جو خیالات
آتے جاتے ہیں انکی بقا و دوام کے لئے کوئی اور تدبیر سوا کتابوں کے ہو ہی نہیں سکتی
انہیں کے ذریعے سے وہ آیندہ نسلوں تک پہنچ سکتی ہیں اس عالم میں جب مصنفوں کا جسم
مادہ کے ساتھ ملجائے اور روح عالم ارواح میں چلی جائے تو ان کے علم کا ورثہ بنی آدم
کو انکی تصنیفات ہی کے ذریعے سے پہنچ سکتا ہے جو نسلاً بعد نسلٍ زمانہ دراز تک چلا جائیگا
اور ان کو فائدہ پہنچائیگا جو ابتک نہیں پیدا ہوئے۔ انسان کے لیے کوئی یادگار کتاب
سے زیادہ دیرپا نہیں ہو سکتیں عمارات۔ بت۔ تصاویر وغیرہ ایک عرصے کے بعد فنا ہو جاتی
ہیں کتاب کی جتنی نقلیں چاہو اتر سکتی ہیں ان کو جہاں چاہو بھیج سکتے ہو۔ یہ نقل اصل کا

کام دیتی ہے برخلاف اور یادگاروں کے کہ وہ ایک ہی جگہہ مقید ہوتی ہیں دوسری
جگہ اُٹھ کر نہیں جا سکتی۔ جیسے اور صناع اپنی صنعت کی بدولت دولت کماتے ہیں مصنف دولت
کی جگہہ بقاء دوام اور شہرت عام پاتے ہیں پس جب تصنیفات کو یہ مداومت ہے کہ وہ
ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں جاری رہتی ہیں تو مصنف کو اپنی تمام عقل و دانش اس پر
صرف کرنی چاہیے کہ میں کوئی خیال ایسا نہ لکھوں کہ وہ بنی آدم کے اخلاق کے حق میں زہر
ہلاہل ہو اور وبا کی طرح ان میں پھیل کر ہلاک کرے۔ بعض عیسائیوں کا یہ مذہب ہے کہ جو
مصنف بری کتابیں لکھہ جائیں گے۔ انکی روحیں عالم برزخ میں جب تک رہینگی کہ ان کی
تصنیفات کا برا اثر لوگوں کے دلوں پر ہوتا رہیگا۔ غرض تصنیفات کا اثر بڑا اور پھیلاؤ دونوں ہوا
کرتے ہیں بہت سے ملحد ایسی کتابیں لکھہ گئے ہیں کہ وہ انسانوں میں الحاد کو پھیلاتی ہیں۔
پس اچھی تصنیفات اچھی یادگار مصنف کی ہیں اور بری بری +
(۳) مصنف کا کام یہ ہے کہ کیا تو وہ باتیں سکھائے جو اوروں کو معلوم نہیں یا جو پہلے سے
معلوم ہیں انکو نئے پیرایہ میں آراستہ پیراستہ کرکے اس طرح بتلائے کہ اس سے لوگوں کا
دل زیادہ خوش ہو اور روزمرہ کی معمولی چیزیں انکو ایسی نئی روشنی میں کہہ کر دکھائے
کہ وہ ایسی بدل جائیں کہ لوگوں کو بڑی دلکش اور حیرت انگیز معلوم ہوں اور ان سے عقل کی
افزائش ہونے لگے اور آدمی ان چیزوں کو دیکھنے لگیں جن کی طرف وہ نظر اُٹھا کے نہیں
دیکھتے تھے مصنف کے واسطے یہ دونو کام مشکل ہیں کہ کوئی نیا امر اختراع و ایجاد کرے یا
پرانی بات کے پیرایہ کو بالکل خوبصورت و حسین بنا کے دکھلادے۔ آدمیوں کو چاہیے کہ وہ
مصنفوں کی غلطیوں ہی کو نہ دیکھا کریں بلکہ جو باتیں صحیح لکھی ہیں ان سے مستفید ہوا کریں اور
یہ سمجھا کریں کہ جن مصنفوں نے تصنیفات لکھی ہیں وہ ہم سے زیادہ جاننے والے تھے انہوں
نے اپنا سارا وقت تصنیفات میں صرف کیا ہے اور مشقت شاقہ اُٹھائی ہے ان کی قدر
کرنی چاہیے مگر ایک فرقہ ایسا ہے کہ وہ اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں یا دل لگی جانتے ہیں کہ کسی علمی کتاب

اشاعت نہیں چاہتے اور افسوس کے رونے کی سو سو ترکیبیں نکالتے ہیں گویا وہ شہرت کے
دروازہ پر سنتری بنے پہرہ دے رہے ہیں کہ اُس کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔ انکا دل کینہ
سے اور دماغ غلطیوں و بدخیالیوں سے بھرا ہوا ہے۔ جہاں کوئی جدید تصنیف شائع ہوئی
ان کے بغض و حسد کو ایک نیا شکار ہاتھ لگا۔ بعض مصنف۔ دہن سگ لقمہ دوختہ بہ پر
عمل کرکے بد نہاد عیب بینیوں سے اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں انکو تحفہ تحائف وہ دیدیتے ہیں
یا اُن کو کوئی خوشامد کا افسانہ ایسا سنا دیتے ہیں کہ وہ اُن کی طرف سے سوجاتے ہیں مگر جو
کامل نیک نہاد مصنف ہیں وہ یہ دونو کام نہیں کرتے اسلئے ان عیب بینیوں اور بدگوئیوں کی
کی زبان درازیوں سے اُن کو نجات نہیں ہوتی +

بیماری کی شکایت

زندگی وہی زندگی ہے جس کو صحت کی نعمت میسر ہو اگر کوئی عمر رسیدہ جو اپنی عمر کا جو گذر چکا
اس طرح خیال کرے کہ عمر وہی ہے جسمیں زندگی خوشی سے بسر ہوتی ہے تو اُسکی خوش حالی
میں اتنی کم عمر گذری ہوگی کہ اس حساب سے وہ اپنے تئیں بچہ سمجھے گا گو وہ بوڑھا ہی ہو اس کا
بڑا حصہ عمر کا بیماری۔ بدمزگی۔ کاہلی نے چرا لیا ہے۔ اسلئے ہر ایک آدمی پر فرض ہے کہ مزاج
ایسا بنائے کہ وہ خوش و خرم رہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ جتنا زندگی
بسر کرنے کا علم اُن کا زیادہ ہوتا جاتا ہے وہ اور زیادہ غمزدہ اور افسردہ ہوتے جاتے ہیں
سچی خوشیوں پر اُن کی نظر نہیں ہوتی۔ اوروں کی جھوٹی خوشیوں پر خیال کرتے
ہیں۔ پس آدمی حقیقت میں ام المریض ہیں انکو صحبت احباب سے ایسا بچنا چاہیے جیسے کہ
مریض کو ہوا سے بعض آدمیوں کی عادت ہے کہ جب وہ صحبت احباب میں بیٹھیں گے تو اپنے
علالت مزاج کی شکایت کا دفتر کھول بیٹھیں گے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دوست طبیب نہیں ہیں جو
کہ علاج کرینگے۔ دوستوں کو چاہیے کہ وہ مجلس احباب کی مسرت کو اور زیادہ کریں نہ یہ کہ
اپنی علالت کے ذکر سے اُن کو بیچ میں ملول کریں۔ یا اُنکے چہرے ملالت آمیز بنوائیں ا

آدمی نہ خود خوش رہیں اور نہ اوروں کو خوش کریں — سوا شکایت اور رنج و مصیبت کے
کوئی اور بات ہی وہ نہیں کرتے تو اُن کے دوست یہانتک تنگ ہوجاتے ہیں کہ جو
جب اپنے درد سر کا بیان کرتے ہیں تو دوست پوچھتے ہیں کہ آج کی ڈاک میں کیا کیا خبریں
آئیں جہاں وہ مجلس میں آئے اُنھوں نے اپنے امراض کا ذکر چھیڑا صاحب خانہ نے نوکر کو
آواز دی کہ لالٹین لاکر ہمارے اِن دوست کو گھر پہنچا دو اور ان کو صلاح دی کہ بہتر ہوگا
کہ آپ اُس وقت آرام فرمائیں یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ دوستوں کی مجلس عیش کو ایسی غمگین باتوں
سے منغص نہیں کرنا چاہیے - جو دائم المریض ہوں اُنکو اول ایسے جلسوں میں جانا نہیں چاہیے
اور اگر جائیں تو جب تک مجلس نہ ختم ہو کوئی بات اپنی علالت و غم کی زبان سے نہیں نکالنی
چاہیے - ان کو یہ باتیں جاننی چاہیے کہ اول تو بیماری ایسی چیز نہیں جسکے سبب سے آدمی
روئے کوئی شخص ہمیشہ تندرست نہیں رہ سکتا - انحطاط کی حالت میں علالت ضرور ہے
بعض خدا پرست اس علالت کو خدا کی نعمت و برکت سمجھتے ہیں اور فانی ہونے کو بھول جاتے
ہیں وہ دنیا میں پیدا ہونے کو اپنی بقا جانتے ہیں موت کو معمولی سونے سے بھی کم
سمجھتے ہیں اور اپنی حیات میں اُسکو مخل نہیں جانتے - غرض وہ اپنی زندگی مسرت و انبساط سے
بسر کرتے ہیں نہ علالت سے غمگین ہوں نہ موت سے خوف کریں - یہ امر یقینی ہے کہ حیات و صحت
کو ایک دامی ضیافت خیال کرنے میں مسرت و انبساط ہی مگر آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے
دل کی کیفیت کو ایک حال پر رکھے نہ یاوری بخت پر ایسا خوش ہو کہ پھولا نہ سمائے
نہ بدنصیبی سے ایسا ملال کرے کہ دم گھٹ جائے - غرض ایک حالت میں ہنسنا اور دوسری
حالت میں رونا دونو جبلت اور مردانگی سے بعید ہیں اور طبیعت کی دنائت اس سے ظاہر
ہوتی ہے - ایک حکیم نے لکھا ہی کہ ہماری حیات کیا ہے؟ - ایک ویسی ہی چھوٹے چھوٹے ذلیل
کاموں کا سوتے ہیں جاگتے ہیں کپڑے پہنتے ہیں ننگے ہوتے ہیں کھاتے ہیں بھوکے ہوتے ہیں کچھ کام
کرتے ہیں یا کھیلتے ہیں تھک جاتے ہیں پھر سو جاتے ہیں - پھر وہی دور پہلے روز کا سا شروع ہوتا

اس طرح ہم میں اور وحشی حیوانوں میں کچھ فرق نہیں ہے کہ وہ اصطبل یا کھیت میں سوتے ہم بستر پر سو رہے۔ انسان کو جو شرف حیوان پر ہے وہ فقط عقبیٰ کے خیال کے سبب سے ہے پس انسان کے خیال کرنے کی چیز کوئی عقبیٰ سے زیادہ نہیں اگر عقبیٰ کی نعمت پانے سے انسان مایوس ہوا تو اس کا حال یہاں اور اہل دنیا کا سا رہا اسکو کوئی زیادہ تکلیف نہیں ہوئی اگر کامیاب ہوا تو سعادت ابدی ہاتھ لگی +

عیش وطرب

جہاں عیش وطرب کو غلبہ ہو وہاں اعلیٰ درجہ کی نیکیاں مغلوب ہیں۔ نازونعم کی رغبت ہمیشہ دل کو عیش وطرب کی حرص دلاتی ہے۔ اور اسی کو مقصد عظیم زندگی کا ٹھہراتی ہے۔ یہ عقل و فراست کی جڑ کاٹتی ہے۔ اور انکی جگہ خیالات پریشان اور خواہشہا پراگندہ پیدا کرتی ہے زنانی صحبتوں میں عیش وطرب کو زیادہ دخل ہے۔ بعض دفعہ یہ جھوٹی بدکار عورتیں ہاتھ سے نکل جاتی ہیں یا ہاتھ نہیں آتیں پھر اُس وقت ان عیش اُڑانے والوں سے پوچھو کہ کیا زندگی تلخ ہوتی ہے۔ شاید کوئی کم بخت سخت مجرم بھی ایسا نہ ہوگا جسکی ایسی قلق کے ساتھ گذرتی ہوگی جیسی انکی۔ اگر وہ پھر انکو مل جاتی ہیں تو چندروز میں اُن سے دل بھر جاتا ہے اور پھر رغبت نہیں رہتی۔ تواتر عیش وطرب اُن کے عیش کے مزہ کی قابلیت کو ضعیف کر دیتا ہے اور آخر کو ان میں عیش کی لذت اُٹھانے کی قابلیت نہیں رہتی۔ اور عادت اُن کو نازونعمت کی ایسی پڑ جاتی ہے کہ وہ کوئی محنت کا کام نہیں کر سکتے۔ کسی نیک کام کرنے کی فرصت اُنکو عیش نہیں دیتا۔ تلون مزاجی۔ تاخیر کے ساتھ کام کرنا اُن کی عادت میں داخل ہو جاتا ہے۔ دن کو جو عیش کرتے ہیں اُسکا خیال رات کو خوش نہیں کرتا۔ بلکہ گرانخوابی سے جو اُٹھتے ہیں تو طبیعت میں نہ چستی ہوتی ہے نہ عقل و فہم میں درستی۔ غرض یہ عیش جس لطف و حظ کے واسطے کیا جاتا ہے وہ احتظاظ اور التذاذ کی قابلیت کو کھو دیتا ہے۔ اسراف دولتمند کو مفلس بناتا ہے۔ تاجروں کا دوالہ نکلواتا ہے۔ اولاد کے لئے ورثہ میں امراض و تشکیک

رہن نامے جوڑتا ہے۔ شاید تم یہ پوچھو۔ جب عیش کا حال یہ ہو تو پھر ہمیں عاقل اصحاب ہوشیار اس کے جال میں پھنستے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ عیش کے سامان ایسے خوبصورت دل کش ہوتے ہیں کہ لوگ اسکی طرف خواہ نخواہ چلے جاتے ہیں جب ان کا امتحان کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ یہ کیا ہم نے کیا۔ ہم کیا سمجھتے تھے اور کیا نکلا۔

سپاہیانہ جرأت

کسی قسم کے آدمیوں کی گفتگو اور تقریریں وہ لطف و مزہ نہیں ہوتا جو سپاہیوں کی باتوں میں جن میں وہ شجاعت و دلیری کی واقعات و حادثات اپنی چشم دیدہ ایک دلکش انداز سے ادا کرتے ہیں گو کہیں کہیں اُن کا بیان غیر مربوط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ غیر مربوط ہونا بھی اُن کے حُسن کلام کا ایک جوہر ہے جو مربوط کلام میں بھی نہیں ہوتا۔ جو لوگ کبھی کیمپ (کمپو میدان جنگ) میں نہیں گئے اُن کو بڑا تعجب اسپر ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں موت کا خوف کیوں کم ہو جاتا ہے۔ تمام سپاہی دشمنوں کی پلٹنوں کی صفوں کے روبرو بڑی پھرتی اور تیزی سے جاتے ہیں بغیر اُسکے کہ اُن پر کوئی جبر جانے کے لئے کیا جائے۔ یہ لوگ اگر کیمپ میں جا کر تھوڑے دنوں رہیں تو اُن کا تعجب جاتا رہے گا۔ وہ سمجھ جاینگے کہ یہ کیمپ خود ہی ایسی ویسی نسل کے آدمیوں میں ایک مصنوعی دلیری ایسا پیدا کر دیتا ہے کہ اُن کی جماعت بہادری کے کام کرنے لگتی ہے یہ سپاہی بہت سے آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ مر کر گر گئے لیکن اُس کے ساتھ ہی مُردوں سے زیادہ زندوں کو دیکھتے ہیں اس سے اُنکی آس بندھی رہتی ہے کہ ہم ان زندوں ہی میں رہیں گے۔ سپاہیانہ زیست نہایت خوشی و خرمی و شادمانی اور دل لگی کے ساتھ بسر ہوتی ہے کہ اُسکے سبب سے یہ مصائب جنگ جو تھوڑی دیر رہتے ہیں کچھ نہیں معلوم ہوتے۔ اُن کو جنگ کے خوفوں کی ذرا پروا نہیں ہوتی۔ جہاں پانچ چار دفعہ میدان جنگ سے زندہ سلامت آئے۔ پھر اُن کے دل سے یہ خیال ہی جاتا رہتا ہے کہ میدان جنگ میں ہماری جان جائے گی۔ یہ خیالات سپاہ کا رکن کے ہوتے ہیں۔ عام سپاہیوں میں ایک مصنوعی دلیری پیدا ہو جاتی ہے مگر

مہم میں کوئی کارِ عظیم ان سے انصرام نہیں ہوتا۔ کارہائے بزرگ کے کرنے والے وہی افسر ہوتے
ہوتے ہیں جن کی ذات میں فی الحقیقت جوہرِ شجاعت ہوتا ہے۔ وہ میدانِ جنگ میں جب کھڑے
ہوتے ہیں تو وہ منصوبے ایسے باندھتے ہیں کہ جس سے اپنے ملک کا اپنی قوم کا علم فتح
بلند ہو۔ گو اُن کے منصوبے محقق نہیں ہوتے ہیں مگر اُن کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ منصوبہ بندی
ایسی کریں۔ وہ اپنے عمر نے جینے کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ خوف کا خیال اُن کو ذرا
نہیں ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب موت قریب آجائے تو اُس سے خوف کرنا عبث ہے
وہ فوجوں کا مقابلہ بہادرانہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس سے بھاگ کر ہم بچ نہیں سکتے
میدانِ جنگ میں وہی بہادری دکھا سکتے ہیں کہ جنکو اپنی جان کی ذرا پروا نہ ہو۔ اگر اُن کو
ذرا بھی خوف ہوگا تو عزت اور عظمتِ معرکہ کارزار میں نہیں حاصل کر سکتے۔ اس خوف کا نہ
ہونا اور اپنی جان سے بے پروا ہونا اپنے سپاہیوں کی جان بچاتا ہے۔ اپنے ملک کو
نیک نام کراتا ہے۔ اُسکی محبت قومی اور ملکی کو ثابت کرتا ہے۔ سپاہیانہ زیست میں وہی
خرمی و شادمانی ہے جو کسی اور طریقہ زیست میں ہو سکتی ہے۔ انہیں پر تمام ملک کی شان
و شوکت موقوف ہوتی۔ جو افسر نیک نہاد بہادر جوانمرد ہوتے ہیں وہ سپاہیوں کو بھائی جانتے
ہیں اسلئے کہ وہ انہیں کی نوع کے ہوتے ہیں اور جو افسر ماتحت ہوتے ہیں اُن کو اپنا دوست
اور اپنا ساتھی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ سب آفت نجابت میں شریک ہوتے ہیں سپاہی کا کام
اپنے تئیں خوش کہنا ہے۔ اسلئے وہ دشمنوں کی خونریزی اور ان کے ملک کی ہر طرح کی
بربادی پر ذرا رحم نہیں کرتا۔ اُن کے لوٹنے مارنے کو اپنا ایمان جانتا ہے۔ اور اُس سے
شاد ہوتا ہے +

پیری میں جوان بننا

قدرت نے جیسی ہر چیز کی حد مقرر کی ہے ایسی ہی زندگی کی بھی حد مقرر کی ہے بڑھاپے
پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے پس جب ہماری آرزوئیں خاطر خواہ پوری ہوتی ہوں تو ہم [illegible]

لی نگان سے بچنا چاہئے۔

کوئی شریف یا تعلیم یافتہ۔ بوڑھا جوان بننا چاہے تو اُسکی برابر کوئی حماقت دنیا میں نہیں ہے
بوڑھوں کو جوان بننے کی خواہش اکثر اُس وقت ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی جوانی کی محبوب
چیزوں کو دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم اُن کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں برت سکتے جو پہلے
برتتے تھے تو اُس سے وہ دل میں ذلیل ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ پہلے ہی برتاؤ
شرم آلودہ تھے۔ یہ چاہنا کہ ہماری جوانی اور طاقت جسمانی عود کرے اور ہمارے رگ پٹھے
ایسے مضبوط ہو جائیں جیسے کہ جوانی میں تھے۔ بالکل حمق اور بچپنے کی نشانی ہے۔ پیری میں
رگ پٹھوں کے قوی ہونے کی خواہش ایسی ہی ہے جیسے جوانی میں سانڈ اور گھوڑے کی برابر
طاقت چاہنی۔ یہ دونوں آرزوئیں نیچر کے خلاف ہیں جو انسان کو ان چیزوں کی طرف
ہمیشہ رہنمائی کرتا ہے جو عدالت۔ قانون عقل کے خلاف نہیں ہے جو جوان کہلے باز
اپنی شہوت پرستی کا اعلان کرتے ہیں اگر ان کو موت نہ آئی تو ضرور اُن کا بڑھاپا ذلت و
خواری سے بسر ہوگا جب بوڑھا آدمی اپنی جوانی کے عیشوں کو یاد کرکے ہاتھ ملتا ہے تو اُسکے
دل کو بڑا میلان اس طرف ہوتا ہے کہ جو چیزیں میرے پاس سے چلی گئی ہیں وہ پھر آجائیں مگر
ان کا پھر آنا انتظام الٰہی کے خلاف ہے۔ وہ جتنا بن ٹھن کر اپنے تئیں جوان بناتے ہیں اتنا
ہی وہ لوگوں کو اپنے اوپر ہنسواتے ہیں جو لوگ جوانی کی ہوا و نفسانی کو نہیں دور کرتے
وہ بڑھاپے میں اپنے اعضاء سے شہوت پرستی نہیں کرسکتے۔ مگر اُن کے خیالات اسی میں لپٹے
رہتے ہیں اب ذرا ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ پیری میں ہم سے کیا چھن جاتا ہے سالوں کے
گذر جانے سے ضرور ہماری جوانی کی اُمنگیں جاتی رہتی ہیں۔ جوانی میں جو ہمارے جذبات کے
جوش و خروش ہوتے تھے وہ ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور اسے جو کام پہلے ہوتے تھے اب
نہیں ہوتے۔ لیکن ان کی بجائے بڑھاپے میں عقل میں اتنا زور آجاتا ہے کہ وہ
بات کو بے جا کام نہیں کرنے دیتی۔ آگاہی زیادہ ہو جاتی ہے عقبیٰ کا خیال زیادہ ہوتا ہے

تو اُس کو وہ کافی جانے۔ اور زیادہ جینے کی پرواہ نہ کرے +

تشفی و تسلی

جو تیرے رنج و قلق کو دور کرکے راحت پہنچائے تو اُس کا احسان مان کر شکر گزار ہو
خوشی کی تحقیقات کرنی اور اس کے حاصل کرنے کے قواعد جاننے انسان کے لیے ایسے فائدہ مند
نہیں ہیں جیسے کہ قلق و رنج میں اپنے تئیں سنبھال لینا اور دوسروں کے غم و الم دور کرنے کے
قواعد جاننے اور تحقیق کرنے سود مند اور ضروری ہیں۔ اس امر پر انسان کو غور و خوض کرنا
ضرور ہے کہ میں اس وقت اور آئندہ کس طرح آرام سے رہ سکتا ہوں۔ دنیا میں ساری
خوشیاں جو آدمیوں میں پھیلی ہوئی ہیں سب کی سب اگر ایک آدمی کو دے دی جائیں تو وہ بہت
خوش نہیں ہوگا۔ لیکن برخلاف اس کے اگر دنیا کے سارے مصائب جمع کرکے ایک آدمی
کو دیئے جائیں تو وہ بہت مصیبت زدہ بن جائے گا +

انسان کو عشق میں سب سے زیادہ رنج و قلق ہوتا ہے اور اُس کا علاج بھی کچھ نہیں ہے
اسلیے کہ عشق انسان کے دل کو اپنے تابع کرکے ایسا کمزور کر دیتا ہے کہ اُس میں غم و الم کے
مقابلہ کی قابلیت ہی جاتی رہتی ہے۔ اور قسم قسم کے رنجوں میں دل میں ایسی قوت ہوتی ہے
کہ وہ استقلال اور صبر سے اُن کے صدموں کو اٹھا سکتا ہے مگر عشق میں تو سرے سے دل ہی
میں طاقت نہیں رہتی مقابلہ کس طرح کرے اُسکی جڑ ہی اکھڑ جاتی ہے۔ وہ ان حادثات کے
بوجھ کے نیچے دب جاتا ہے جو اُس کے دل کو پسند نہیں ہوتے۔ ایسے رنج و مصیبت کی حالت
میں کوئی تو اخلاق کی کتابوں کو پڑھ کر اپنا علاج کرنا چاہتا ہے۔ ایسی کتابیں اُس کے دل کے
گرد ایک حصن حصین بنا دیتی ہیں کہ وہ رنج و الم کے حملوں کی برداشت کرتا ہے۔ کوئی ظرافت
و لطافت و فصاحت کی کتابوں کے مطالعہ سے غم غلط کرتا ہے۔ کوئی ایسی کتابیں ہاتھ میں
لیتا ہے کہ جن میں مصائب عظیمہ کا حال اور اُن میں انسان کی طبیعت کی کیفیت بیان ہوتی
ہے اُن سے اپنی مصیبت کو مقابلہ کرکے دل کو تسلی دیتا ہے۔ غرض ان کتابوں کا پڑھنا

کہ وہ جب آدمی کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ دل مثل ہے کبھی کسی طرف
جھکتا ہے کبھی کسی طرف۔ تو انکو یہ سمجھتے ہیں کہ کیا تو اُس کی طبیعت خسیف ہے
جو یہ خفیف حرکتیں کرتی ہے۔ یا دنیاوی اغراض دامنگیر ہیں۔

جو آدمی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں یا تارک المذہب ہو جاتے ہیں
اُن کو اس بات کا بڑا لحاظ چاہیے کہ وہ دنیا پر ثابت کریں کہ ان کاموں کو نیک نیتی
سے کیا ہے۔ خواہ اُن کا دل اور اُن کے ہم مذہب اس حرکت کو کیسا ہی اچھا جانیں
مگر وہ یہ خوب جان لیں کہ سب نیک آدمی اُن سے نفرت کرتے ہیں اور عوام اُن کو بدنام
کرتے ہیں اور اُن پر ہنستے ہیں + ہم اپنی زندگی بسر کرنے کے واسطے جو تدابیر انتخاب کرتے
ہیں اُن کی پیروی استقلال کے ساتھ نہیں کرتے اس میں تلون اختیار کرتے ہیں یہی
ہماری ناخوشی اور رنجوں کا بڑا سبب ہوتا ہے۔ بلند نظری ہم کو ایک طرف کشش
کرتی ہے۔ خودغرضی دوسری طرف گھسیٹتی ہے میلان خاطر اور طرف لے جاتا ہے
عقل ان سب طرفوں کے خلاف اور سمت میں بلاتی ہے۔ جو ان سب طرفوں میں چلنا چاہتا
ہے اپنا وقت بری طرح ضائع کرتا ہے۔ جب آدمی کے لئے ایسی بوقلموں ترغیبیں پیش
ہوں تو بہتر ہے کہ پہلے اس سے کہ بڑھاپا آئے یا موت کا پیغام آئے اور اور آدمیوں کی
طرح مرجائے۔ وہ قطعی فیصلہ کرکے اُن میں سے ایک کو پسند کرے اسی کو مقصد اعظم اپنا بنالے
اور تا دم مرگ اُس کی پیروی میں سعی کرے۔ اگر ہم احکام عقل کا محکوم ہونا بغیر خیال دولت
اور نیک نامی وغیرہ کے پسند کریں تو اپنی زندگی خوشی سے بسر کریں گے۔ اگر ہم دولتمند
رہینگے تو فقط نیک ہی ہونا نہیں چاہینگے بلکہ دولتمند ہونا بھی ہر دل عزیز ہونا بھی
اور ان اشیا کا حاصل کرنا بھی جنکی دنیا قدر کرتی ہے تو ہماری زندگی تلخ گذرے گی۔
انسان میں تلون کا عیب ایسا ہے کہ اس سے باز رہنے کے لئے آدمی کو نہایت خبرگیری
اور احتیاط چاہیے۔ دنیا میں قدرت الٰہی نے انسان کی برابر کوئی چیز تغیر پذیر نہیں بنائی

ہماری سمجھ ایسی ہو کہ ایک ہی رائے کو کبھی قبول کرتے ہیں کبھی رد کرتے ہیں انسان سے برتر مخلوق فرشتے
ہیں اور کمتر حیوان ہیں ان دونوں میں ایسے تغیر نہیں ہوتے جو انسان میں ہوتے ہیں۔
حیوانوں میں تو سرے سے برے بھلے کی تمیز ہی نہیں ہے یا ہے تو وہ ایک ہی ہے اس میں کبھی تبدل نہیں ہوتا
فرشتہ کی سرشت میں بھی تلون نہیں ہے۔ ہم اپنے ارادہ سے گناہ کرتے ہیں کبھی اُس سے
اپنے تئیں بری کرتے ہیں۔ کبھی خدا کو ناراض کرتے ہیں کبھی راضی کرنے میں کوشش
کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں کی عفو کی دعا مانگتے ہیں کبھی نفرت کے قابل کبھی رغبت کے
قابل کام کرتے ہیں اس تلون میں ہماری زندگی اسی طرح گذرتی ہے۔ کوئی زندگی
کی حالت انسان کے واسطے ایسی نہیں کہ جس میں دل کے اندر تغیر پیدا ہو۔ لڑکپن کے خیالات
کی صورت جوانی میں کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔ بعض ان میں سے بالکل جاتے ہی رہتے
ہیں۔ بڑھاپے میں پھر آدمی پیرِ نابالغ ہو جاتا ہے۔ بچوں کے سے خیالات کرنے لگتا
ہے۔ ایک عمر کے خیالات دوسری عمر کے خیالات سے مختلف ہوتے ہیں۔ جب کوئی نیا
خطاب ملتا ہے یا کوئی نعمت غیر مترقبہ مل جاتی ہے تو ہم اپنے آپے سے ایسے باہر
ہو جاتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم وہ خود رہے ہیں۔ گھٹا کا دن۔ تھوڑی سی
دھوپ بہت سے آدمیوں پر ایسا اثر کرتی ہے جیسے کہ اصلی نعمتیں اور مصیبتیں ایک
خواب ہماری ہستی کو بدل دیتا ہے اور جب وہ ختم ہوتا ہے تو کچھ اور حالت کر دیتا ہے
بیماری اور صحت کے سواء ہر ایک جذبہ ہمارے جسم اور دل کو ایسا بدل دیتا ہے کہ
ہم ایک اور ہی مخلوق معلوم دینے لگتے ہیں پس ملائک اور حیوانوں میں انسان کی
تمیز اس تلون کے عیب کے سبب سے ہوئی ہو تو جو بنی نوع آدم میں اپنے تئیں ایسا بنائے
کہ وہ تلون کے عیب سے پاک ہو اور جو آج ہو وہی کل ہو اور کسی تغیر کا سایہ
اپنے اوپر نہ پڑنے دے۔ اُس کو سمجھو کہ ایسا صاحب کمال ہے کہ اعجاز
کرتا ہے ٭

نیک طینتی

ہر شخص کے مزاج کا متحمل ہونا جنسے گفتگو کرنی اُن کے میلان طبائع کے ساتھ موافقت
کرنی کسی سے مخالفت نہ کرنی کبھی اپنے تئیں اوروں سے برتر نہ دکھانا یہ سب اطوار ایسے
ہیں کہ جو کوئی اختیار کرے وہ تعریف کے قابل بغیر حسد کے ہو سکتا ہے گو قدرت کی
طرف سے انسان کے پیچھے سیکڑوں رنج و تکالیف لگی ہوئی ہیں۔ مگر ہم اُنپر بھی آپس کی
ظالمانہ مدارات سے اور مصائب کا اضافہ کرتے ہیں اور اپنے حسد۔ حقد۔ دغابازی۔ اپنے
ہمسایوں کے ساتھ نااتفاقی سے اور اپنے سر پر ان تکلیفوں کے وزن کو زیادہ بوجھل
کرتے ہیں بڑا بھاری یہ ایک طوفان کل بنی آدم پر آیا ہوا ہے جسمیں وہ باہم ٹکراتے
ہیں۔ اگر نوع بشر رحم دلی۔ فیاضی۔ تواضع باہمدگر اختیار کرے تو رنج و مصائب
آدھے سے بھی کم رہ جائیں۔ یہ بات جب ہو سکتی ہے کہ نیک طینتی اپنے میں اور اوروں میں
پیدا کریں جس سے حماقت اور گستاخی کی برداشت ہو نیک طینتی گفتار میں وہ انداز
دکھاتی ہے کہ ذکاوت سے زیادہ لطف و پسندیدگی پیدا کر دیتی ہے چہرہ میں وہ ایک آن
نمایاں کرتی ہے کہ جو خوبصورتی سے زیادہ بھلی لگتی ہے۔ وہ نیکی کے نور کو چمکاتی ہے
کہ بدی کی تاریکی مٹ جاتی ہے۔ دنیا میں تمام صحبتیں جلسے آپس کی باتیں قائم ہوتی ہیں
یا ان چیزوں سے جو اُسکے مشابہ ہوں یا قائم مقام ہوں۔ اسلئے آدمی ایک مصنوعی
نیک طینتی اپنے میں پیدا کرتا ہے اور اُسکو اصلی نیک طینتی کی نقل بناتا ہے۔ یا اُس کا
قائم مقام و اُسکا نام خوش خلقی یہ کہتا ہے۔ دنیا میں سب جگہ یہ خوش خلقی جو عبارت مروت
آدمیت ملائمت سے ہے نیک طینتی کی نقل اتار رہی ہے۔ اگر ظاہری بناوٹ اور انسانیت
کی بنا نیک نہادی پر ہو تو اُس سے انسان ہر دل عزیز ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ نری
ریاکاری بن جاتی ہے جب لباس تقدس کی صورت برہنہ ہو جاتی ہے تو وہ ناخدا پرستی سے
بھی زیادہ حقارت کے قابل ہو جاتی ہے۔ اکثر نیک طینتی انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہے

صحت۔ آسودہ حالی۔ اہل دنیا کی نیک اتفاقی یہ سب اسکو نشو و نما دیتی ہیں ۔ وہ خود
نہ پیدا ہو تو پھر کوئی چیز اُس کو زبردستی پیدا نہیں کر سکتی۔ تعلیم اُسکو رونق دے سکتی ہے
مگر پیدا نہیں کر سکتی۔ خدا کو عدالت انسان کو رحم پسند ہے جو شخص اپنے کسی قصور کو معاف
نہیں کرتا وہ اور ونکو اُن کے اعمال کے موافق صلہ دے گا۔ نیک طینت آدمی ایسے
مقدمات میں اور خفیف مقدمات میں قصوروں کو معاف کرسکتا ہے۔ خطاؤں سے چشم پوشی
مگر سلطنت کے انتظامی عدالتوں میں نہیں کرسکتا اسلئے کہ ان میں ایک پر رحم کرنا دوسرے
پر ظلم کرنا ہے ۔

یہ ایک بات عوام میں ضرب المثل مشہور ہے کہ نیک طینت آدمی اکثر بہت ذکی نہیں ہوتے
نیچر میں تو کوئی بات ایسی نہیں جو اس بات کی تصدیق کرے۔ اور یوں مشاہدہ میں بھی آتا
ہے بہت سے آدمی نیک طینت ہوتے ہیں وہ بڑے ذہین بھی ہوتے ہیں مگر اس بات کے
مشہور ہوجانے کی دو وجہ معلوم ہوتی ہیں اول عوام الناس شرارت کی باتوں ہی کو
ذکاوت سمجھتے ہیں جب کوئی شریر بدنفس مضرت رساں بات کہتا ہے تو لوگ بڑی رغبت سے
سنتے ہیں اور اُسے اُن کے دل خوش ہوجاتے ہیں وہ اُس پر ہنستے ہیں کہنے والے کو
کہتے ہیں کیا وہ بیباک ہجو کرتا ہے بلا کا بنا ہوا آدمی ہے کیا کھرتل سناتا ہے۔ غرض عوام میں
تمیز شرارت اور ذکاوت میں نہیں ہے۔ شریر لڑکوں کو ذہین کہا کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں
کہ ذکاوت کا اقتضا ہی شرارت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیک طینت آدمی جب اوروں
کی ناتوانی اور بدنصیبی دیکھتا ہے تو رحم کرتا ہے اُنپر وہ اُن لوگوں کی طرح جو ذکی مشہور
ہونے کے لئے باتیں بناتے اور ہنستے ہیں نہ باتیں بناتا ہے نہ ہنستا ہے۔ شریر بڑی
کاوش سے اوروں کے عیبوں اور نقصوں کا افشا کرنے میں اپنی ذہانت دکھاتا ہے
نیک طینت اوروں کے عیبوں پر پردہ ڈال کر چھپانے میں کوشش کرتا ہے۔ شریر
آدمی اوروں کی برائیوں پر قہقہے اُڑاتا ہے۔ نیک طینت آدمی ان کے لئے عذر کرتا ہے

ہوئی تو ایک شخص بھی اُنکو ایسا نہ ملا کہ وہ ایسا نیک ہوتا کہ اُس میں کچھ بُرائی نہ ہوتی
نہ کوئی ایسا بد ملا کہ اُس میں کچھ نیکی نہ ہوتی۔ غرض کوئی اُن کو اپنے [illegible] اہل وطن کی مثل
نہ ملا۔ مگر اُن کو تحقیقات کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ بہت بُرے آدمی کے دل پر خوشی سو میں حصّہ
مسلط ہونے کا حق رکھتی ہے۔ اور بہت نیک آدمی کے دل پر دو تہائی قبضہ پانے کا رنج مستحق ہے
مگر اس طرح قبضہ پانے پر اُن کے درمیان بڑے جھگڑے کھڑے ہوتے۔ اسلئے اُنہوں نے
آپس میں فیصلہ کیا کہ ہم آپس میں بیاہ کر لیں پس اسی طرح یہ رنج و خوشی میاں بیوی ہو کر
توام رہنے لگے۔ ور انسان کے دل میں کیا دونو ساتھ آتے ہیں یا بعد ایک دوسرے کے
اگر رنج پہلے آیا تو اُسکے بعد خوشی آئی۔ اگر خوشی پہلے آئی تو اُسکے بعد رنج آیا۔ ان میں بہت
کبھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ دونو آپس میں شادی کر کے خوش ہو گئے۔ مگر جیوپیٹر کا مطلب جو
انسان کے درمیان ان کے بھیجنے کا تھا وہ نہ حاصل ہوا۔ اسلئے اُس نے دونو خاندانوں
کی مرضی لے کر یہ فیصلہ کیا کہ جب ہر آدمی مرے اگر اُس میں زیادہ تر نیکیاں ہوں تو اُس کو
سونے کی بہشت کے لئے راہداری کا پروانہ لکھ دے۔ کہ وہاں وہ نیکی۔ سعادت۔ دیوتاؤں کے
ساتھ رہے اور اگر اُس میں بُرائیاں زیادہ ہوں تو رنج جہنم کے لئے پروانہ راہداری لکھے
کہ وہاں جا کر مصیبت۔ بُرائی۔ غضب و قہر کے ساتھ رہے +

ذہانت

انسان کے لئے ذہانت بھلے کام کرے تو اس سے زیادہ کوئی مفید نہیں اگر بُرے کام کرے
تو اس سے زیادہ کوئی مضر نہیں۔ عدالت اور عقل کے موافق ذہانت کی قدر و منزلت کرنی
چاہیئے۔ ایک وکیل کی اُس وقت قدر و عزت کرنی چاہیے کہ وہ اپنی ذہانت سے مظلوم کی داد رسی
کرائے۔ ظالم کو سزا دلائے جو ناحق قرض لے اُس کو قید خانہ بھجوائے۔ اگر برخلاف اسکے
اُس کی ذہانت جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنائے تو قابل حقارت ہے۔ عطیات قدرت اور
کمال صنعت جب ہی بیش بہا ہوتے ہیں کہ وہ نیکی کی خاطر کام میں لائے جائیں۔ کہوئی

عالی دماغ جب تک اپنی طبیعت وذہانت کو نیک کام میں لائے معزز نہیں ہو سکتا۔ اگر
شاعر اپنی ذہانت کو ناموروں کی مذمت میں کام میں لاتا ہے تو کودن سے بدتر ہے
جو ذہین اپنی ذہانت کو شرارت میں کام میں لاتے ہیں۔ ایسے سے پرہیز اور گریز چاہیے
رند اور اوباش وضع اپنی ذہانت کو ایسی بُری طرح کام میں لاتے ہیں جیسے بعض حسین عورتیں
اپنی حسانت اس طرح دکھاتی ہیں۔ اگر اُنکی آنکھیں نرگسی ہوں تو وہ اپنے عاشقوں کی
طرف بھینگی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ اور اگر چہرہ اُن کا پری کا سا ہو تو وہ مُنہ چڑاتی ہیں
جس سے چہرہ بگڑ جاتا ہے +

لوٹری

حکیمانہ ظرافت سے حکمانے یہ لکھا ہے کہ اگر دو گھاس کے گٹھے ایک صورت شکل اور وزن کے
رکھے جائیں جن کے گھاس کی رنگت بو ایک سی ہو اور اُن کی بیچ بیچ میں گدھا کھڑا کیا جائے
جس کی آنکھوں کو گھاس کا رنگ اور بو دو نو گٹھوں میں یکساں محسوس ہو اور کوئی
وجہ ترجیح نہ ہو کہ وہ ایک گٹھے پر مُنہ ڈالے تو گدھے کو بڑی دقت پیش آئے گی۔ اس گھاس
کے ہونے سے تو نہ ہونا بہتر ہوتا کہ افراط طعام میں گرسنگی نہ ہوتی۔ اب اس کا حال تو
اس مقناطیس کا سا ہوگا جو دو لوہے کے عین وسط میں رکھا ہو کہ اِدھر جا سکے نہ اُدھر۔ اب
اس امر کا فیصلہ کرنا تو گدھا پن ہے کہ گدھا بھوکا مرے گا یا کسی گٹھے پر مُنہ ڈالے گا۔ وجہ ترجیح کو
چھوڑے گا۔ مگر ہم آدمیوں کے باب میں فیصلہ کر سکتے ہیں جب اُن کو یہ صورت پیش آئے۔ لوٹری
میں آدمیوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ جتنی چٹھیاں ہوتی ہیں اُن پر کسی نمبر کو ترجیح نہیں ہوتی
کہ وہ جیتے گا۔ سب جیتنے کا احتمال یکساں ہوتا ہے۔ ایسے ہی سب چٹھی ڈالنے والوں کی
کیفیت ہوتی ہے کہ وہ سب برابر ہوتے ہیں۔ صرف قسمت کا سہارا ہوتا ہے۔ بعض آدمی
ان نمبروں کے پسند کرنے میں عجیب عجیب حماقت اپنی دکھاتے ہیں کوئی تو سنہ عیسوی
کا نمبر لیتا ہے کہ وہ مبارک ہوگا کہ خداوند مسیح کی ولادت کا سنہ ہے کوئی اُس نمبر لیگا

جھگڑے لگتے ہیں ایک کپتان اپنی مہمات کی وجوہ بیان کرتا ہے - وکیل صاحب اسپیچ ج و
فتح کو موجود ہیں اور کپتان صاحب کی آستینیں چڑھتی ہیں اور وکیل صاحب جیسے خیالی
کے سامنے کھڑے تو ہیں مگر دل کا خدا ہی حافظ ہے غرض ایسے مباحثوں میں طرفین
طیش و غضب میں بھر آتے ہیں اور اپنے تئیں ناحق بیہودہ بنا دیتے ہیں آدمی کو چاہیے
کہ جہاں تک ممکن ہو بحث و تکرار سے جس میں فساد ہو پرہیز کرے - آدمیوں میں مباحثے
تین وجہ سے ہوتے ہیں ایک یہ ان میں ہر ایک کو اپنی فتحیابی مد نظر ہو - دوم ہر ایک کو
اپنی نیک نامی - سوم ایک امر حق کی تحقیق - تینوں حالتوں میں مباحثے کے لئے ذکاوت سے
زیادہ خوش مزاجی اور نیک اخلاقی کی ضرورت ہے - آدمی کو جب مجبوری سے دلائل بیان کرنے
کی ضرورت ہو تو انکو نہایت نرمی اور سہولت سے بیان کرنا چاہیے - اسی طرح سننے والے کے
دلوں پر ان کا اثر ہوگا اور نقش جمے گا + سب سے اچھا طریقہ مباحثہ و مناظرہ کا سقراط کا
کہ جب جانب مقابل کسی دلیل کا قائل نہ ہو تو ایک سلسلہ براہین کا اسکے ثابت کرنے کے
واسطے ایسا قائم کیا جائے کہ جانب مخالف کو سوا ماننے کے کوئی اور چارہ ہی نہ ہو مباحثہ
محض اپنی فتحیابی کی نظر سے کہ دوسرے کو زک دیدیں مکروہ معلوم ہوتا ہے - اس میں بھی
خفگی اور طیش میں آجانے کی برابر کوئی حماقت نہیں یہ کیا عقل ہے کہ ہم کسی دوسرے
آدمی سے اس بات پر خفا ہو جائیں کہ اس کی رائے یہ نہیں ہے جو ہماری رائے ہے
یہ وجہ ایسی ہے کہ جیسے واقف تم جیسے خفا اس سے ہوتے ہو وہ تم سے خفا ہو - آدمیوں
کی اغراض طریقہ تعلیم - وسائل علم سیکھنے کے ایسے جدا جدا ہیں کہ ممکن نہیں کہ سب ہم
خیال و ہم رائے ہوں تم ذرا ٹھنڈے ہو کر اور غصے کو تھوک کر سوچو کہ اگر ہماری اغراض
اور تعلیم جانب مخالف کی سی ہوتیں تو ہماری رائے کیا ہوتی - اگر مباحثہ سے فقط فتحیابی
منظور ہو اور تم اس میں غیظ و غضب میں بھر آؤ تو اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لئے
مضر اور دشمن کے لئے مفید نہیں ہے کہ جب مباحثہ ختم ہو جائے گا تو تم کو معلوم ہوگا کہ

اس شخص نے تمکو برانگیختہ کرکے کن کن دلائل قاطع کو تمھاری کاٹ دیا ہے ہمیشہ گفتگو نرمی سے ہونی چاہیے
ایسی حالت میں شکست و فرار میں بھی عافیت ہے کسی آدمی پر اس سبب سے غصہ نہیں کرنا
چاہئے کہ وہ تمہاری دلائل قوی کو نہیں مانتا اور اپنی ضعیف دلائل کو مان کر ان کے
مقابل میں پیش کرتا ہے - اگر مباحثہ سے غرض اپنی نیک نامی ہو تو جو لوگ تمہاری
دلائل کو نہ سمجھیں تو ان پر بجائے غصہ کے رحم چاہیے اور خدا کا شکر بھیجنا چاہیے کہ اوس نے
تم کو فہم مستقیم اور طبع سلیم عنایت کی ہے - کوئی تمھارا ہمسر تمھارے غصہ کو خیال میں نہیں
لائے گا - وہ تمھارے بڑے خود سزا بن جائے گا - یہ عقل سے بعید ہے کہ جب کسی احمق
او رشریر سے تم کو پالا پڑے تو تم غصہ ہو کر اپنے تئیں سزا دو - اگر مباحثہ سے صرف
غرض امر حق کی تحقیق مد نظر ہے تو وہ تمھارے غصہ کو خود روک دے گا - کیونکہ امر
حق کا دریافت کرنا ہے اوسنے تم تحقیق کر دیا دوسرا دریافت کرے ایک ہی بات ہے
جب دو آدمیوں میں مباحثہ و تکرار دیکھو تو کسی کے جانب دار نہ ہو بلکہ طرفین میں
جو امور حق ہوں ان سب کے طرفدار رہو اور ان کی خوب چھان بین کرو - یہ کروگے تو
کوئی تمھارا دشمن نہ ہوگا - ایک بات اور یاد رکھو کہ جب تم مباحثہ میں فتحیاب ہو تو بہت
اتراؤ اور پھولو نہیں اس سے لوگ تمھاری فتحیابی ہی کے قائل نہیں ہونگے بلکہ تنگ مزاجی
اور فراخ حوصلگی کے بھی -

(۲) بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص کے کلام کو نہیں سمجھتا یا اوس کے
فعل کے اصل مقصود کو نہیں پہونچتا یا کسی بات کے سمجھنے میں اوس کی فہم غلطی کرتی ہے
تو وہ اپنی غلط فہمی کو نہیں سمجھتا اوس کے دل پر اس لغو خیال کی تاریکی چھائی ہوئی ہے
کہ مجھے ہر شخص کے مقابلہ میں تیار ہونا چاہئے اور ہر شخص سے بحث کرنا میری بڑی
لیاقت ہے اور دخل در معقول دینے سے لائق آدمیوں کی نظر میں میرا رسوخ ہوگا
مگر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ میری اس غلط فہمی سے تو عالموں کی نظر میں وقعت گھٹ جائے گی

نقصان فہم کے سبب سے ساقط الاعتبار خیال کی جائے گی۔ اہل نظر کی نظر سے گر جائیگا
جن وہ یہ کرتا ہے کہ جس شخص کے قول کی تردید منظور ہوتی ہے اوس کے معانی اپنی طرف
سے ایسے ناحق گھڑ لیتا ہے کہ جن کا باطل کرنا آسان ہو۔ اس کی رد میں دو چار صفحے
بڑی طمطراق سے لکھ دئے ڈھول بنا کے لائے جس میں فقط آواز ہی ہے اور اندر سے
خالی ہے۔ اس کا یہ رد کرنا ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی دشمن کا پتلا پھوس کا بنا کر کھڑا کرے
اور اوس پر تیر لگا کر خوش ہو جائے کہ میں نے اوس کو شکست دیدی۔ اگر احمقوں نے اوسکی
جھوٹی واہ واہ کر دی تو یہ شوربچی واہ واہ کی آواز موزوں سے زیادہ اس کے
کانوں کو بھلا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے یا وہ کوتاہ نظر ہوتا ہے
کہ اس کو حق اچھی طرح نہیں دکھائی دیتا۔

گھر میں جاسوس نوکروں کا ہونا

جس گھر میں ایسے نوکر ہوں کہ جو گھر کی جاسوسی اور مخبری کرتے ہوں تو اس گھر سے
عافیت رخصت ہوتی ہے۔ یہ جاسوس آقاؤں کی عمدہ خدمات کا ذکر نہیں کرتے۔ بلکہ اونکی
خوش مزاجی اور آزاد منشی کو اس شوخی و بے باکی اور لفاظی سے بیان کرتے ہیں کہ گھر
میں سب عزیز و اقارب میں بدگمانیاں آپس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جلی کٹی باتیں آپس میں ہونے
لگتی ہیں سچے وفادار ملازم مشتبہ ہو جاتے ہیں جھوٹے بے وفا نوکر منہ چڑھ جاتے ہیں

عبادت

آدمی کو مذہب کا پابند ہونا چاہئے اور توہمات باطلہ سے بچنا یہ ایک نہایت عمدہ بات ہے
کہ بچپنے ہی میں مذہب و عبادت کا نقش دل پر جما یا جائے۔ وہ کبھی تا دم مرگ مٹنے کا نہیں گو کبھی
کبھی دنیا کے کاموں کی کثرت جوانی کی حرارت۔ برائیوں کی طرف رغبت اوس کو بگاڑینگے
لیکن مٹا نہیں سکینگے۔ جب عمر بڑھے گی مصیبت آئیگی۔ ہوش درست ہونگے۔ پھر مذہب
کے خیال کا نقش جیسا تھا ویسا ہی پھر ابھر آئیگا۔ اس کا حال آگ کا سا ہوتا ہے کہ اگر

اوسے دہکا کر اوس پر انبار لگائیں تو وہ بالکل بجھنے کی نہیں۔
عدالت۔ پرہیزگاری۔ متانت۔ اور ساری نیکیاں بغیر عبادت کے بے مزہ اور پھیکی ہوتی
ہیں۔ وہ مذہب سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتیں بلکہ فلسفہ و حکمت سے متعلق ہو جاتی ہیں کوئی
لذت جسمانی عبادت کی لذت کو نہیں پہونچتی۔ کوئی علم و حکمت انسان کے خیالات کو وسیع اور
عالی ایسا نہیں بناتا جیسے کہ عبادت دل میں تحریک اور حرارت وہ پیدا کرتی ہے
کہ کوئی دنیا کی عشرت وہ نہیں پیدا کر سکتی۔ بعض علما کی رائے ہے کہ عقل مابہ الامتیاز انسان
اور حیوان کے درمیان ایسی نہیں ہے جیسی کہ عبادت اسلئے کہ وحشی سے وحشی حیوان میں
کچھ نہ کچھ عقل کے آثار پائے جاتے ہیں مگر عبادت الٰہی کا شائبہ جانوروں میں ذرا بھی نہیں
ہوتا۔ عبادت کی طرف میلان طبع انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ کہ جب کوئی مصیبت
اور آفت پڑتی ہے تو وہ خدا سے اپنی مدد کی دعا مانگتا ہے جب کوئی نعمت غیر مترقبہ
مل جاتی ہے تو اوس کا شکر بھیجتا ہے۔ اوسکی ذات کی کمالات کی حمد کرتا ہے۔
آسمان کے نیچے جتنی قومیں رہتی ہیں ان سب کا عبادت پر اتفاق ہے اُن کے تین
سبب بتلائے جاتے ہیں۔
اول یہ کہ خالق اکبر نے اپنے کلام سے انسان کے دل میں عبادت کا خیال پیدا کیا ہو
دوم۔ اوسنے انسان کی خلقت و جبلت میں یہ خیال پیدا کیا ہو۔
سوم عقل و دانش نے یہ خیال دلایا ہو۔ خواہ تینوں سبب یا ان میں سے ایک سبب پایا جاتا
ہو تو اوس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس تمام عالم کا خالق واجب الوجود ہے مگر اس عبادت
کے پیچھے دو آفتیں لگی ہوئی ہیں اول یہ کہ جب عبادت حد اعتدال سے تجاوز کرتی ہے اور
عقل کی حد سے پرے نکل جاتی ہے تو وہ انسان کے دماغ میں مالیخولیا پیدا کرتی ہے اور
امراض روحانی نخوت وغیرہ جب اس عبادت کا جوش اوٹھتا ہے تو آدمی دیوانہ ہو جاتا ہے
اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اشتغال عبادت میری طرف سے نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے

یہاں تک وہ اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میرے اور خدا کے درمیان مکا
مکاشفہ مشاہدہ ہونے لگا ہے۔ مجھے ضرور نہیں کہ اب میں دنیا کے مذہب وجہ میں سے کسی کا
سب طرح سے پابند ہوں پس وہ مذہب کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے۔ دیوانہ پن کی باتیں
کرتا ہے دوسری آفت یہ ہے کہ عبادت کی کثرت سے توہمات باطلہ میں مبتلا ہوتا ہے صدہا
اوہام وسوسے ناحق کے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں سینکڑوں باتوں کو جو مذہب سے کچھ
تعلق نہیں رکھتیں وہ اپنے اوپر فرض جاننے لگتا ہے غرض مذہبی عبادت میں پرجوش و
شوق ہونا سرکش گنوار بننا ہے اور توہمات باطلہ میں گرفتار ہونا ایک بے مزہ بیماری
ہوتا ہے۔ عبادت میں اعتدال چاہیے اوس کی افراط میں ایک صورت میں دیوانگی اور دوسری
صورت میں حماقت ہے

عورتوں کی مذمت

دنیا میں سب سے بڑی نعمت اچھی بیوی ہے اور سب سے زیادہ مصیبت بری بیوی ہے۔ ہر زمانہ میں
مصنف عورتوں کا حال لکھتے آئے ہیں کسی نے مدح سرائی میں کسی نے ہجو نیز برائی میں دفتر
لکھ ڈالا ہے کسی سارے گروہ کو برا کہنا معیوب ہے کسی گروہ میں سب آدمی یکساں نہیں ہوتے۔
دنیا کی ساری عورتوں کی مذمت کرنی اہل تہذیب پسند نہیں کرتے لیکن عوام الناس اس سے
خوش ہوتے ہیں ایک قدیمی شاعر نے عورتوں کی ہجو بڑے لطف کے ساتھ لکھی ہے
ہم اوس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے ابتدا آفرینش عالم میں بہت سے مختلف طرح کے مادے ایک جگہ جمع کئے
اور ان سب کو ملا کر عورتوں کی ارواح کا خمیر بنایا۔ اور ان کے لئے جدا جدا عورتوں کا
مسکن بنایا اس طرح جتنی قسم کی عورتیں پیدا ہوئیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

اول ایک قسم کی عورتیں ان مادوں سے بنائیں جن سے کہ سورنی بنائی تھی۔ اس طرح کی
عورتیں سراسر غلیظ و ناپاک رہتی ہیں ان کا جسم ناپاک۔ خوراک پوشاک غلیظ۔ بچے کچلے

ہشتم۔ خچری قسم کی جس۔ بال اور سیلی بہت خوب صورت ہو۔ ایسی عورتیں خاوندوں سے بے پروا۔ مگر سارے دن اپنا بناؤ سنگار کریں نہائیں دہوئیں۔ لباس پر تکلف پہنیں خوشبوئیں ملیں بالوں کو سو طرح سے بنائیں عطر میں بسائیں پھول رنگ برنگ خوشنما اُن پر لگائیں ایسی عورتیں اجنبی آدمیوں کے دیکھنے کے لئے اچھی ہوتی ہیں ہاں بادشاہ بادشاہزادہ کے واسطے بھی یہ کھیلنے کے کھلونے اچھے ہوتے ہیں۔ مگر خاوندوں کے واسطے ذات اجنب ہوتی ہیں۔

نہم۔ بن دُم کی بندریا کی قسم کی۔ اس قسم کی عورتیں بدمزاج سب طرح سے بدصورت وزشت سیرت۔ باوجودیکہ ایک چیز بھی اپنے میں خوبصورت نہیں ہوتی۔ مگر سب کی بدصورتی پر وہ ہنستی ہیں اور اون سے نفرت کرنے پر تیار رہتی ہیں

دہم۔ شہد کی مکھی کی قسم کی سب سے بڑا خوش نصیب وہ خاوند ہے جسکو اس قسم کی بیوی خدا دے۔ وہ سب عیبوں سے پاک ہوتی ہے۔ کوئی عیب اوس میں نہیں ہوتا۔ وہ خاوند سے محبت کرتی ہیں۔ سارا کنبا اونکا پھولتا پھلتا ہے اور ترقی کرتا ہے۔ اور عورتوں میں ممتاز ہوتی ہیں۔ سرتاپا خوبصورت ہوتی ہیں۔ لچی شہدی عورتوں سے وہ ہمکلام نہیں ہوتیں۔ اُن کو اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتیں۔ ان میں نیکی اور عقلمندی کوٹ کوٹ کے بھری ہوتی ہے۔ پس اس سے زیادہ اچھی بیوی کوئی نہیں ہوتی۔

کاغذ کی ہجو

حکماء کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ دنیا میں ساری چیزیں بہتری اور بھلائی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ دنیا میں ساری چیزیں بُرائی اور بدتری کے لئے بنائی گئی ہیں۔ پہلا فرقہ کاغذ کو علم کے فرشتے بتلاتا ہے دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے تو وہ فرشتہ وہ ہوگا جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلوایا تھا۔ اور موت کو دنیا میں لایا تھا۔ اسلئے کہ دنیا میں شیطان

ظلم و ستم کاغذ نے نہیں کئے کسی جفا کار سے وہ دل شکنی نہیں ہوسکتی جو کاغذ سے
ہوسکتی ہے اوس کے تختوں نے بہت سی سلطنتوں کے تخت اوندھے کئے ہیں بگڑے ہوئے
عمدہ انتظاموں کو اوس نے پریشان کیا ہے ابتک نہ انسان کی ذہانت نے نہ شیطان
کی شیطنت نے کاغذ کے برابر کوئی غارتگر آدمی کے لئے پیدا کیا ہے۔ فقط

خیالات کی قوت

خیالات میں بھی کیا قوت ہے کہ کوئی قوت اوس کے سامنے حقیقت نہیں رکھتی۔ تمام
کلوں کی قوت کے ناپنے کا پیمانہ گھوڑے کی قوت ہے۔ مگر وہ خیالات کی قوت کے آگے
ہیچ ہے۔ جو گھوڑے کی قوت دھوئیں کے زور سے آٹھ سات روز میں جہاز کو سمندر پار
لے جاسکتی ہے وہ خیال کی قوت چند سکنڈ میں اوسکے پار لے جاسکتی ہے۔ یہ خیالات
ہی کی قوت ہے کہ جس نے نئی دنیا کو دریافت کرلیا عیسائیوں کی سلطنت کو دنیا میں پھیلایا
گھوڑے کی قوت کو بھی خیال کی قوت نے پیدا کیا ہے۔

ذہین

جب تک ذہین آدمی زندہ رہتا ہے دنیا اس سے نفرت کرتی ہے اسلئے کہ وہ گرد ہا گروہ
آدمیوں کے خیالات میں اضطراب اضطرار پیدا کرتا ہے۔ وہ ان کی ہستی کے ساکن پانی میں
پتھر پھینک کر اس میں تلاطم اٹھاتا ہے جو اون کو ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب وہ مرجاتا
ہے تو سب کہتے ہیں اللہ اکبر وہ تو ہمارا نبی تھا۔

مصلحان قوم

ای نوجوان پرشوق حکیم تو مصلح دنیا بنا چاہتا ہے تو اس بات سے آگاہ ہو کہ اگر تو نے
اپنی ساری زندگی میں کوئی ایک خطا اور قصور چھوٹا سا بھی کیا ہوگا یہانتک کہ اگر تو نے
مدرسہ میں لڑکپن کے اندر یا تیرے کسی دور کے رشتہ دار نے کوئی گناہ کیا ہوگا تو وہ سب تیرے
دق کرنے کے لئے جمع کریں گے اور تجھے ستائیں گے اور کہیں گے کہ واہ یہ مصلح قوم بنے ہیں

جنہوں نے مدرسہ میں ایک جھوٹ بولا تھا - ایک پر کا قلم چرایا تھا - وہ الانکالا تھا
جنکے پردادا کے پانچویں چچا کے بھائی کی بیوی نے پھانسی پائی تھی - اسلئے نتیجہ کو
پہلے اصلاح اپنی چاہئے - سچ یہ ہے کہ عمدہ مصلحت یہی ہے کہ ہر ایک آدمی اپنی اصلاح
کے درپے ہو - اسی سے ساری دنیا کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی - پھر حکما کی ضرورت
نہیں رہے گی +

شاعر و عابد

نہ وہ شاعر ہے جو شعر کہتا ہے نہ وہ عابد ہے جو نماز پڑھتا ہے اور زبور گاتا ہے بلکہ
عابد و شاعر وہ ہیں کہ جنکا سینہ صاف ہو - دل پاک ہو - اس میں اثر ہوتا ہو - ان میں
شوق و جذبے اٹھتے ہوں -

ہاجی

جو ہاجی ہجو لکھتے ہیں جتنا وہ اپنے تئیں عاقل اور ہوشیار جانتے ہیں اُس سے وہ آدمی
کبھی نہیں ہوتے - وہ اناج کو پھٹکنا جانتے ہیں مگر کھاتے بھس ہیں قاعدہ ہے جو لوگ
اوروں کو پرکھتے ہیں وہ ان کے ساتھ برائی بھی کرنے کو تیار ہوتے ہیں - اور آدمیوں کی
ذکاوت اور نیک سیرتی دریافت کرنے کے لئے پہلے خود اپنے میں ذہانت و نیک سیرتی
ہونے کی ضرورت ہے - مگر اوروں کی برائیوں کے ادراک کرنے میں سوا کینے اور اپنے
تئیں فریب دینے کی لیاقت کے کسی اور لیاقت کی حاجت نہیں - صاحب کمالوں کے
کمالوں کی قدر و تعریف بزرگ منش صاحب کمال کرتے ہیں اور جتنے ہاجی ہیں اُن کی
ہجو کرتے ہیں - یہ تعریف اور خوشامد بھی کسی کی حب کرتے ہیں کہ اُن کو کسی کا جلانا
منظور ہوتا ہے - زید کی تعریف اسلئے کرتے ہیں کہ بکر کا جلانا منظور ہوتا ہے - غرض
اس تعریف اور خوشامد میں بھی وہ اپنے منہ سے نجاست کا زہر اُگلتے ہیں جو نیک
آدمی ہجو کرتے ہیں تو وہ برائی کو برا کہتے ہیں کسی شخص کو برا نہیں کہتے - وہ آدمیوں کی

غلطیوں وخطاؤں کی ابتری بتاتے ہیں آدمی پر تبرا نہیں بھیجتے یہ احمق شریروں کا کام ہے
کہ ہجو سے لوگوں کے دلوں کو آزردہ کرتے ہیں ہجو لکھنے کی خوبی یہ ہے کہ گناہوں اور
جرموں کو اس طرح بیان کرے کہ نیک مزاج اُن کو سُن کر طیش میں بھر جائیں۔ اور برائی
سے دل میں نفرت ہو جائے۔

شرافت امرا

جن لوگوں کو ذاتی لیاقت نہیں ہو اگر باپ دادا کی شرافت کے سبب سے خطاب
مل جائیں وہ ایسے ہیں جیسے کہ کھوٹی دہاتوں پر بادشاہی سکے لگ جائیں خاندانی
خطاب ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ صفات جو بزرگی اور شرافت
کی جان ہیں نسل میں منتقل نہیں ہو سکتیں آدمی جیسے زمین کو اپنی اولاد کو ورثہ میں دے سکتا ہے
اگر ایسے ہی وہ اپنی نیکیوں و علموں کو بھی اُن کو دے سکتا تو اولاد کے برابر کوئی قابل
چیز نہ ہوتی غرض اگر شرافت کے ساتھ وہ نیک افعال و فیاضانہ اعمال نہ ہوں جن
کے سبب سے وہ شرافت کے ساتھ ممتاز ہوئے تھے تو وہ شرافت ایک خیالی چیز ہے

عالم

عالم کا حال اناج کے درختوں کا سا ہوتا ہے کہ جب زمین سے نکلتے ہیں اور ان میں اناج نہیں
ہوتا تو سر اونچا کرتے ہیں لیکن جب اُن میں اناج کی بالیں نکل آتی ہیں تو سر کو نیچا کر کے
خمیدہ ہو جاتے ہیں۔

عشق وہوس

یونانیوں کی زبان میتھیالوجی ایک علم ہے کہ اوس میں سب قوا و جذبات انسانی کو ایک
ایک مجسم دیبی یا دیوتا تعبیر کیا ہے اور ان کے واسطے وہ نشانیاں مقرر کی ہیں جو
اون کی شان کے شایاں ہیں مثلاً عشق ہے اوس کو خوبصورت اندھے بچے کی شکل کا
بنایا ہے اور اوس کو تیر و کمان سے سجایا ہے وہ چاروں طرف یونہیں اناپ شناپ

بے نشانہ باندھے تیر پھینکتا ہے جس میں یہ رمز پائی جاتی ہے کہ معشوق کوئی ارادہ
رنج و تکلیف پہچانے کا نہیں رکھتا بلکہ حسن خود دل کو ایسا لبھاتا اور اپنی طرف کھینچتا ہے
جیسا کہ خوبصورت بچہ۔ گو بچہ کو یہ خبر نہیں کہ مجھ میں کوئی خوبی ایسی ہے کہ جسکی قیمت ہم
اپنی فیاضی سے زیادہ لگا رکھی ہے۔ برخلاف اس کے ہوس کی شکل آدھی بکری کی سی
اور آدھی آدمی کی سی بنائی ہے جس میں یہ رمز ہے کہ ہوسناک آدمی آدھے کام آدمی
کے اور آدھے کام حیوان کے سے کرتا ہے اور انسان ہو کر حیوان کی سی شہوت رکھتا ہے اور ان رسول و شیخ بزرگ
پھرتا ہے کہ جہاں گذرگاہ پر یونہی طرح آتی جاتی ہیں ان جہلیوں رند بونگی سیر کرتا ہے کہ جہاں حسین پاکیزہ آمد و رفت
رکھتی ہیں۔ پس اسی طرح ہوسناک کی شہوت پرستی صاحب عصمتوں کے پیچھے پڑی پھرتی ہے اور ایسی
ایک نامعقول بات اس میں ہوتی ہے کہ جب وہ ان کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بھی اوس کی
مثل ہو جاتی ہیں۔ عشق تو ایک بچہ کی طرح گریہ و زاری کرتا ہے اور اپنی بے کسی ایسی
دکھاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدد مانگتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ کس غذا سے
میری اشتہا رفع ہو گی۔ برخلاف اس کے ہوس ایک ہوشیار چور ہے کہ اپنا شکار پکڑتا
ہے۔ اور اپنی تشفی اور تسلی کے واسطے پھندے لگاتا ہے۔ وہ چراتا نہیں بلکہ مار ڈالتا ہے
پس ان دو نو مجسم تصویروں سے عشق اور ہوس میں اور عاشق اور ہوسناک میں فرق
سمجھ لو کہ کیا ہے۔

دنیا کی خباثت

دنیا میں ایسی بدنیتی اور خباثت پھیل رہی ہے کہ نیک آدمیوں کی ناکامی بہ نسبت
نیک نامی کے زیادہ شہرت پاتی ہے۔ ان کی ایک خطا کی مذمت جتنی ہوتی ہے
اوتنی ان سارے نیک کاموں کی مدح نہیں ہوتی۔ اس لئے ملامت سے بچنا بہ نسبت
تعریف حاصل کرنے کے مشکل ہے۔ عمر بھر میں آدمی ایک بڑا کام کرے تو تعریف حاصل ہو جائیگی
لیکن مذمت سے جب بچاؤ ہو گا کہ عمر بھر میں کوئی برا یا احمقانہ کام قولاً اور فعلاً نہ کرے

نکتہ چینی

جیسے خردبین ذرات۔ دانوں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو خوب صحت سے دیکھ لیتی ہے
مگر چیز کے تمام اجزا کی ترکیب تناسب اور مناسبت کو وہ نہیں دیکھ سکتی۔ بس
ایسے ہی نکتہ چین جزئیات کی غلطیوں اور عیبوں کو خوب دیکھ کر بتاتے ہیں مگر کلیات
کی خوبیوں کو نیکیوں کو نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

انسان میں نیکی کے تین درجے ہوتے ہیں

ایک حکیم انسان کے تین درجے باعتبار عقل کے یہ مقرر کرتا ہے۔ اول وہ جو اپنے قوائے عقلیہ
سے صحیح و درست و مناسب امور کو دیکھ سکتے ہیں اور کام کی تہ پر پہونچ سکتے ہیں دوم وہ جو
دوسرے کے سمجھانے سے عیب و صواب کو پہچان سکتے ہیں۔ سوم وہ جو نہ خود سمجھیں نہ دوسرے
کے سمجھانے سے سمجھیں نہ آپ خود چل سکیں نہ دوسرے کے چلانے سے چلیں۔ اس قسم کا
آدمی بڑا ہی کم بخت اور نکما ہوتا ہے۔

پس اسی طرح نیکی کے اعتبار سے آدمیوں کی تفریق یہ تین ہو سکتی ہیں۔ اول وہ جن کا
اعتقاد اور یقین خدا پر ایسا ہے کہ وہ کوئی کام خدا کے حکم کے خلاف کرنا نہیں چاہتے۔ انکی
ساری خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ احکام الٰہی کو بجا لائیں۔ اس کی طاعت و اطاعت و
عبادت کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں۔ دوم وہ جو برائی اور بھلائی میں ہم وزن ہیں
ادھر دنیا میں دولت عیش عشرت سے وہ اپنی ہوائے نفسانی کو پورا کرتے ہیں۔ ادھر
عقبیٰ کی سزا و جزا کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ غرض دنیا کے سیانے اور دین کے دیوانے
ہوتے ہیں۔ سوم وہ جو بالکل شہوات نفسانی میں ڈوبے ہوئے کوئی بھلائی کرنی نہیں
چاہتے اپنے نفس کے بندے ہوتے ہیں اپنے چین اور آرام سے پرے خیالات کو نہیں جانے دیتے
دوسری قسم کے آدمیوں کی ایسی کثرت ہے کہ اگر یہ کہیں کہ ساری دنیا انہیں سے بھری
ہوئی ہے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ تیسری قسم کے آدمی کم ہوتے ہیں اور اول قسم کے کمتر۔

آدمی کی دو حالتیں ہیں کیا تو وہ اسکا یقین کرتا ہی کہ نیکی کرنے سے خوشی ہوتی ہی یا یہ کہ
خوش ہونے کے لئے نیکی کرنا لازمی ہنیں۔ اس لئے وہ خود اپنی مطلب برآری و خود کامی پر
نظر رکھتا ہی اور باقی سب باتوں کو چھوڑ دیتا ہی۔ یہ بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہی کہ آدمی کا یقین
ایک جانب ہو اور اوس کا عمل دوسری جانب ہو اور جس شخص نے راہ مستقیم کو دیکھ لیا ہو
وہ اوس کو خود آنکھیں بند کر کے چھوڑ دے اور اس میں یہ سمجھے کہ مین آرام پاؤں گا۔ مگر ہر
ساعت یہ بیہودہ باتیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ بڑے بڑے عاقل عمدہ آدمی اپنے فرائض
مسلمہ سے انحراف کرتے ہیں اور جب ہی تک اچھے بنے رہتے ہیں کہ برے کاموں کی تحریکیں
ان کے سامنے ہنیں پیش ہوتیں اور ان کی ہوا و نفسانی کا جوش ہنیں ہوتا۔ اور ان کی راے
کسی سبب سے پلٹ ہنیں جاتی۔ یہ تجربہ سے ثابت ہوتا ہی کہ ہم بعض نیکیاں اختیار کرتے ہیں
اور بعض کو چھوڑ دیتے ہیں اور برے بھلے ایک خاص درجہ تک ہوتے ہیں بعض آدمی بظاہر
غافل اور بد افعال معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے اندر ایک مخفی نیکی ہوتی ہے جو تربیت اور تعلیم
سے بہت پھیل سکتی ہی۔ ایک چنگاری ان کے دل میں خدا نے دبا دی ہی کہ گو وہ چھپی ہوئی ہی
مگر بجھی ہوئی ہنیں وہ پند و نصائح اور صلاح و مشورہ کی پھونکنے سے روشن ہو سکتی ہی۔ یہی حال
نیک آدمیوں کا ہی کہ خواہ وہ کیسے ہی سب طرح سے اچھے معلوم ہوتے ہوں مگر پھر بھی ان میں
کوئی مخفی برائی ہوتی ہی۔ غرض انسان کو نہ بدی میں نہ نیکی میں کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ بعض
خالص نیکیاں مشابہ بدیوں کے اور بعض بدیاں مشابہ نیکیوں کے ہوا کرتی ہیں اسلئے
آدمی جو ظاہری حال پر ہمیشہ فیصلہ کیا کرتا ہے اسکو چاہیے کہ وہ جلدی سے ایسا نتیجہ
نہ نکالا کرے کہ جس سے نیکی برباد گنہ لازم ہو جائے۔

ہر شخص خواہ کسی رتبہ کا ہو وہ یہ چاہا کرتا ہے کہ اوس کے لوگ مقلد ہوں یا وہ آپ نئے
مقلد بنانے میں کوشش کیا کرتا ہے۔ ایسے آدمی کو لازم ہے کہ آپ خود ایک اچھا نمونہ
بنے۔ اور خود گناہوں اور جرموں کے کرنے سے پرہیزی نہ کرے بلکہ اونکی ظاہری صورت

بھی بچائے اور ایسے کام نہ کرے کہ جسے دیکھ کر لوگ گمراہ ہوں اور نیکی ہی فقط نہ کرے
بلکہ اوس کے ساتھ نیکی کی تعریف اور حمایت کرے +

کسی شخص کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ میری زندگی تھوڑی ہے

جن آدمیوں کو غور و خوض کی عادت نہیں ہوتی وہ حکیمانہ رائیں اور مقولے سن کر اُن کو
بار بار زبان پر لایا کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان میں کوئی بڑا فائدہ کام کرنے کا رکھا گیا
ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کچھ ان کو خود تو علم ہوتا نہیں - وہ ان حکیمانہ باتوں کے
دہرانے میں اپنی عزت جانتے ہیں ان کی روح ایک نے اور ساز ہے کہ جس میں آوازیں نکلتی ہیں مگر
وہ سمجھتے نہیں وہ الفاظ کہتے ہیں مگر اون کے معانی پر خیال نہیں کرتے - منجملہ ان مقولوں کے
یہ ایک مقولہ ہے کہ زندگی بہت تھوڑی ہے اس بات کو سننے والے بڑی توجہ سے سنتے ہیں
لیکن اس کا اثر دل پر کچھ نہیں ہوتا - اور جب تک آدمی مرتا نہیں اوسکو یقین نہیں ہوتا کہ
زندگی بہت تھوڑی ہے جتنا آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے اپنے طول امل کو بڑھاتا جاتا ہے پس اگر
زندگی کے تھوڑے ہونے کا یقین ہو تو چاہئے کہ جتنی زندگی گھٹتی جائے اوتنی ہی وہ
بڑے بڑے منصوبوں کے باندھنے میں کمی کرتا جائے - مگر وہ اوسکے خلاف کام کرتا ہے وہ ایسے
منصوبے بڑے بڑے باندھتا ہے کہ جنکے ختم ہونے کے واسطے ایک مدت دراز کی ضرورت
ہوتی ہے امید میں جو خوشی ہوتی ہے وہ اوس کے حاصل ہونے میں نہیں ہوتی - اسلئے بوڑھے
آدمیوں کو اپنے طول امل میں بڑی مسرت ہوتی ہے وہ باغ لگاتے ہیں جسکے درختوں کے سایہ
میں بیٹھنے سے خوش ہوتے ہیں اور پھل کھانے کی امید سے اور زیادہ مسرور ہوتے ہیں +
بعض حکما کا مذہب ہے کہ جو وقت موجود ہے اُس کے لئے خوشی کا سامان مہیا رکھنا چاہیے
آئندہ زمانہ کی خبر کسکو ہے - گل کی خوشبو کا گھنٹہ بہت جلد گذر جاتا ہے اور اسکی جگہ پر کانٹا باقی
رہ جاتا ہے - پس آدمی جیسا کہ وہ اپنے عیش و آرام کے واسطے زمانہ حال ہی کو جانتا ہے
وہ نیک کام کرنے کے لئے فقط زمانہ حال ہی کو سمجھے - اگر ایک شخص ایک نہر [illegible] جاری کرے

جمع کرے تو فوراً دیدے وقت کا انتظار نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس انتظار میں موت آجائے
اور یہ نیک کام رہ جائے۔ نیک آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے فنا ہونے کا خیال ہمیشہ پیش نظر
رکھے۔ یہ جانے جو نیک کام مجھے کرنا چاہئے وہ آج ہی کر لوں معلوم نہیں کل جیوں یا نہ جیوں
جو لوگ غافل پڑے سوتے ہیں وہ بری طرح محنت کرتے ہیں وہ اس بات کو بالکل بھولے
ہوئے ہیں کہ زندگی تھوڑی ہے۔ نکمے پڑے ہوئے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ابھی بہت وقت
کاہلی کی مکافات کے لئے پڑا ہوا ہے۔ بعض آدمی زندگی کو تھوڑا سمجھ کر تھوڑی مدت میں
سب کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں سو ان دونو کا انجام ایک سا کر دیتی ہے
ان میں ایسا فرق ہوتا ہے کہ ایک جانور اڑ رہا ہو اس کے گولی لگ جائے اور دوسرا جھاڑی
میں بیٹھا ہوا مارا جائے +

اس زمانہ میں جہاں علم و ہنر کی ترقی ہوئی ہے وہاں عمر کی قیمت کا پورا پورا صحیح حساب
کیا گیا ہے جنکے موافق جان کے بیمے ہوتے ہیں اور لاکھوں روپے کمائے جاتے ہیں غرض یہ
حساب تجارت کے لئے ہے کچھ اخلاق کے واسطے نہیں وہ دولت حاصل کرنے کے واسطے
درست ہے مگر دانائی کے لئے انسان کے دل میں اس مغالطہ نے جگہ پکڑ لی ہے۔ زبان سے
تو یہ کہتا ہے کہ زندگی تھوڑی ہے اس کا بھروسہ کیا ہے دم آیا یا نہ آیا مگر کام اس طرح کرتا ہے
جیسے اسکو یقین ہے کہ وہ کبھی مرنے کا نہیں اس مغالطہ کو نہ علم نہ تجربہ دور کر سکتا ہے خوف
و رجا اسکی تائید کرتے ہیں

فاضلوں کی حقارت جب ہی اکثر ہوتی ہے کہ وہ اس کے مستحق ہوتے ہیں

جو آدمی اپنی لیاقت علمی اور استعداد عقلی کی نسبت ایسی اپنی رائے رکھتے ہیں کہ اس سے
دولت یا عزت سرفرازی پیدا ہو وہ ہر زمانہ میں اپنے مصائب بیان کرتے آئے ہیں اونکی
زمانہ کی جہالت و وحشت و جھوٹے مذاق سے اٹھانی پڑتی ہیں اور اہل زمانہ کی ناحسانمندی
کی شکایت و سعایت کرتے چلے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کی جبلت میں داخل ہے کہ وہ

اپنے ذی او ر سمجھ کے ساتھ کافر تمنی کرتا ہی۔ وہ غصے و طیش میں بھرکر جہانتک اُن سے ہوسکا
انھوں نے اپنی قوم کو اپنے ملک کو گالیاں دیں اکثر اُن کا غرور اس بدگوئی کا سبب
ہوتا ہی خواہ زمانہ نے کیسی ہی اُن کی خاطرداری اور آؤبھگت کی ہو مگر اُنھوں نے اُسے او
اپنے درجہ سے کم ہی جانا اور اوروں کو بھی کہا کہ وہ ہماری علمی لیاقتوں پر حسد کرتے ہیں
مگر انصاف کا یہ سچا اور صحیح قاعدہ چلا آتا ہی کہ آدمی کی بات کا اوس کے اپنے معاملات میں یقین
نہیں کیا جاتا پس اِن فاضلوں اور عالموں سے جو اپنی ذات کی کم قدری کے سبب سے
زمانہ کی سعایت و شکایت کی وہ قابل تسلیم نہیں +

زمانہ کی ناقدری کی وجہ یہ ہی ہوتی ہی کہ بہت ہی تھوڑے آدمی ایسے ہوئے ہیں کہ
جن احکام کی تعمیل وہ اوروں پر فرض بتلائیں اُن میں وہ خود پورے اُتریں اس لئے ہم کو
متعجب کرنا نہیں چاہئے کہ آدمی اپنا غصہ اِن عالموں پر زیادہ تر ظاہر کریں جو جان بوجھ کر
احکام کی تعمیل میں قصور کریں چونکہ کوئی آدمی ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں عمل کرنے کی قوت
خیال کرنے کی قوت کی برابر ہو اسلئے جو فقط سوچنے والے آدمی ہوتے ہیں اور کتابی علم
رکھتے ہیں اُن کی مذمت بہ نسبت اور آدمیوں کے زیادہ کی جاتی کیونکہ لوگوں کو ایسے نیک
کاموں کی زیادہ توقع ہوتی ہے +

مصنف کا

اگر اِن عالموں کی تصنیفات ایسی ہیں کہ جن سے ہوا و نفسانی کم ہوتی ہیں شہوات
جسمانی مغلوب ہوتی ہیں تو وہ بیشک بہت آدمیوں کے لئے مفید ہوتی ہیں
خود چال چلن اُن کے قاعدوں کے موافق نہ ہو۔ اُس کی تصنیفات کا اثر اُن ضلعوں میں
شائع ہوگا جہاں کے لوگ یہ نہیں پوچھیں گے کہ مصنف نیک تھا یا بد۔ اُن زمانوں میں وہ اپنا اثر
دکھائیگی جنمیں مصنف کی تمام بیوقوفیاں اور خطائیں دنیا بھول گئی ہوگی۔ اور ہزاروں اور
لاکھوں دلوں میں وہ شعلہ روشن کریں گے جو مصنف کے خود سینہ میں بسبب عفونت
جذبات اور رطوبت جبن کے دھندلا چکتا تھا۔ برخلاف اس کے جو بڑے بداخلاق بے

مصنف ہیں اُن کا حال شمع کا سا ہے کہ بیچارا ہوا نفسانی کے بھول بھلیوں میں روشن کیجاے
وہ اپنی روشنی بہ نسبت حرارت کے زیادہ پھیلاتی ہے اور انھیں کو راہ دکھلاتی ہے جو اسکے
سامنے ہوں اور اُن کو جلاتی ہے جو اوس کے نہایت قریب ہوں۔ پس ایسے مصنف
جنکے خیالات سے آدمیوں کی اصلاح ایسی نہ ہو جیسی اُن کے اعمال سے برائی ہو تو
وہ کب تعظیم و تکریم کے مستحق ہو سکتے ہیں کسی کی تعریف جو تعجب کے ساتھ ہوتی ہے وہاں
ہوتی ہے جہاں واقفیت نہیں ہوتی۔ اسکے دوست دور ہوتے ہیں مگر دشمن پاس ہوتے ہیں
زمانہ کے ظلم اور حماقت کی شکایت تو جب بجا ہوتی کہ وہ اپنی تصنیف سے دانائی اور
نیکی پھیلانے میں کوشش کرتے۔ وہ خود اوباش تھے انکی تصنیفات رندانہ تھی۔ اُس نے
خلائق کے دلوں کے لئے گمراہی اور تباہی کی راہ کو ہموار کیا اُس میں خطاؤں کے خاروں
کو پھول بنا کر لگایا۔ بُری ترغیبوں کے راگ دل لبھانے والے بنائے حیا کو گھٹایا اور
بے شرمی کو بڑھایا۔

ایسے مصنف تو بدمست شرابیوں اور اوباشوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں اسلئے کہ ان
بدکاریوں کا اثر اتنی وسعت میں نہیں پھیلتا جتنا کہ ان مصنفوں کی تصنیف کا۔ وہ تو زہر کا
پیالا پی کر اپنے ہی اوپر اثر کرتے ہیں مگر یہ تصنیفات وبا کی طرح ہزاروں کو قتل کرتی ہیں
پس جو بُرے مصنف ہیں وہ اور بُرے آدمیوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ ہر طرح
تحقیر کے قابل ہیں +

کاہلی

بہت سے رسالے اطبا اور حکما نے لکھے ہیں جن میں اُنھوں نے ہر پیشہ و ہر حرفہ و کام سے
جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بیان کی ہیں۔ مثلاً کیمپ۔ سمندر۔ کان میں رہنے سے جو
امراض پیدا ہوتے ہیں اُن کو لکھا ہے۔ وہ سب بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ پیشہ و کام خواہ کیسا
ہی خطرناک ہو اور صحت کے لئے مضر ہو مگر اس میں بھی کاہلی سے زیادہ خوشی و تندرستی ہے

انسان کے جسم کی بناوٹ کو دیکھو تو اوس کے لئے کام کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ قطع نظر
اس سے تمام دنیا کا تجربہ دیکھو کہ جو لوگ امیر دولتمند فارغ البال ہیں اور اونکو روپیہ
کمانے کے واسطے محنت کی ضرورت نہیں ہے اونھوں نے بھی سیر شکار اور اور شغل ایسے
نکال لئے ہیں کہ جنمیں ویسی ہی محنت پڑتی ہے جیسی کہ مزدوروں کو گو اس مین محنت کی
ایسی مجبوری نہ ہو جیسی کہ کاشتکار اور بیلدار کو۔ شکار کے لئے وہ صبح اوٹھتے ہیں اوس کی
تلاش میں وہ پڑے پھرتے ہیں سب طرح کی [illegible] اوٹھاتے ہیں دریاؤں کے
پار جاتے ہیں پہاڑیوں پر چڑھتے ہیں جنگلوں میں پھرتے ہیں کبھی زخمی ہو جاتے
ہیں کبھی جھاڑیوں کانٹوں سے کپڑے پھٹ جاتے ہیں۔ اور کوئی اون کی گرمجوشی
کا تحریک کرنے والا اور کوئی سپہ سالار اون پر حکم چلانے والا نہیں ہوتا۔ کہ کسی عدول
حکمی او کسی سزا کا خوف اون کو ہو نہ اون کو کسی عزت اور صلہ کی امید ہوتی ہے۔ باوجود
ان سب باتوں کے وہ اپنے ہمراہیوں اور اپنی رعیت کی اس تعریف سے کہ خوب
شکار کھیلا خوش ہوتے ہیں +

غرض انسان کی جسمانی ترکیب کا مقتضا محنت کرنا ہے محنت خود اپنا آپ انعام ہے
اس کے لئے کسی اور ترغیب کی ضرورت نہیں اسی سے بہت خوشی حاصل ہوتی ہے
اور اسی سے مصیبت اور آفت سے بچاؤ ہوتا ہے۔

آدمی اپنی بے حس و حرکت زندگی سے آرام چاہتا ہے مگر آرام تو خوشی اور رنج کی
درمیانی حالت کا نام ہے۔ جو شخص اپنے رگ پٹھوں کو سخت بناتا ہے اور اپنے اعضا کو حرکت
دیتا رہتا ہے اور سردی اور گرمی کے سامنے جسم کو لا کھڑا اون کی برداشت کی عادت ڈالتا
ہے۔ اسی کے واسطے اہتزاز روحانی و قوت جسمانی۔ مہمات عظیم کے واسطے مستعد ہے
جس آرام سے خوشی نہیں حاصل ہوتی وہ آخر کو دکھ ہو جاتا ہے۔ جب آدمی اپنے اعضا
کو حرکت نہ دے گا تو وہ سست ہو جائینگے اور دکھ درد پیدا کرینگے۔ زندگی کے واسطے

غذا اور محنت میں ہمیشہ ایک نسبت ہوتی ہے۔ غذا ابدال ما یتحلل ہونی چاہیئے۔ وہ کاہلی سے ہوتی نہیں۔ اگر کاہل آدمیوں کی عمر بھی دراز ہوتی ہے تو بڑی مصیبت سے کٹتی ہے

گو ورزش جسمانی ہم کو موت سے تو نہیں بچا سکتی۔ مگر جب تک جسم و روح میں صحبت ہے وہ اون کو خوش رکھتی ہے اور یہ غالبًا اون میں جدائی بھی آسانی سے کرا دے گی۔ متقدمین کا یہ مقولہ تھا کہ امراض شدید تو آسمان کی طرف سے آتے ہیں اور امراض مزمنہ ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ موت کا تیر تو آسمان کی طرف سے لگتا ہے لیکن زہر میں ہم اوسکو اپنی بد چلنی سے بجھاتے ہیں۔ مرنا تو انسان کی قسمت میں ہے مگر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا اسکی بیوقوفی ہے۔

اس دنیا میں ہماری تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ جسم و روح دونو کام کرتے رہیں دونو کے قوا میں سے کوئی ایک بھی کاہل نہیں رہنا چاہئے اور ان سے کام لینا چاہیئے۔ نہ جہالت کی اطاعت سے صحت مول لینی چاہیئے نہ صحت کو خرچ کرکے علم کو خریدنا چاہیئے۔ طلبہ کو اکثر فخر و ناز ہوتا ہے کہ ہم کو علمی خوبی کافی ہے۔ یہ اون کی غلطی ہے کہ وہ اور کھیل تماشوں کو کہ جن سے جسم کو تر و تازگی اور روح کو مسرت حاصل ہوتی ہے ناپسند کرتے ہیں۔ یہ ان کی بے ہنری ہے کہ وہ گیند کو ہاتھ نہ لگائیں اور گرنے کے خوف سے دوڑے نہیں۔ جو ایسے خوف رکھتے ہیں وہ ضرور ذلیل ہوتے ہیں

جو عالم فاضل اپنے تئیں مطالعہ کی محنت سے تھکاتے ہیں اور ورزش جسمانی سے گریز کرتے ہیں وہ خود اپنے تئیں کاہل اور مریض بنا لیتے ہیں۔ اسی لئے تعلیم میں ریاضت جسمانی داخل کی جاتی ہے کہ جب آدمی روحانی محنت سے تھک جائے تو جسمانی محنت میں مصروف ہو کر روح کو آرام پہنچائے۔ مہذب ملکوں میں اسلئے عورتوں کے واسطے تعلیم کے اندر یہ بات مقرر کی گئی ہے کہ خواہ کسی درجہ اور رتبے کی عورتیں ہوں وہ ضرور کوئی لیاقت کا کام سیکھیں جس میں اون کی ورزش

اور آیندہ زمانہ میں وہ یادگار روزگار رہیگا۔ یہ سچ ہی کہ بعض آدمیوں کو خداداد استعداد
ایسی ہوتی ہی کہ وہ اپنی ادنی توجہ سے جو تصنیفات کرتے ہیں وہ اس رتبے اور شان
کی ہوتی ہیں کہ کوئی دوسرا اور اوسکو برسوں کی محنت اور جانفشانی اور غور و مطالعے کے
بعد بھی نہیں کرسکتا۔ ان کا حال تو اس قطعہ زمین کا سا ہوتا ہے کہ جس میں خودرو
پیداوار کی وہ طاقت ہو کہ کسی دوسری زمین میں محنت و تردد و آب پاشی کے بعد بھی
نہ ہو۔ مگر ایسے آدمی شاذ و نادر ہوتے ہیں بہت سے جھوٹے مدعی اُن کی قائم مقامی کا
دعوی کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم بے محنت و مشقت کے نامور ہو جاینگے۔ اُن کا
حال ایسے کسان کا سا ہی کہ جو اپنے زمین کو یہ سمجھے کہ وہ بغیر بوئے جوتے ایسے پھل پھول
پیدا کریگی جو دنیا میں بے نظیر ہونگے +

زمانہ میں علم کے اندر بزرگی اس وجہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہی کہ اس میں علم کم ہو
پس تھوڑے علم کا عالم بھی وہاں بے نظیر ہوتا ہے کوئی اوس کی برابر نہیں ہوتا۔
جہاں روکھ نہیں وہاں ارنڈ ہی رُکھ ہے۔ پس وہ اپنے تئیں بے نظیر سمجھ کر صاحب کمال
جانتے ہیں اور اوسپر خوب ابھرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ صاحب کمال ہونا اور بات ہی
اور جاہلوں اور نالایقوں میں علم کی وجہ سے ممتاز ہونا اور بات ہی۔ ان کے ذہن میں
کمال کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا۔ جو صاحب کمال کمال کے معنی جانتا ہے — وہ اپنے
تئیں ناقص سمجھتا ہے۔ جب وہ اپنی تصنیفات کو کمال کی معیار پر کستا ہی تو اوس میں نقص
پاتا ہی ایک شاعر بے مثال نے کہا کہ میرے شعر سب کو کامل معلوم ہوتے ہیں مگر مجھے
ناقص۔ ایک اور شاعر جسکی برابر دنیا میں تھوڑے ہی شاعر گذرے ہیں مرتے وقت کہتا
تھا کہ یہ حسرت میں اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں کہ میں نے ہزار اپنی جان ماری مگر کبھی ایک
شعر کامل نہ کہا گیا۔ ایک مصور بھی جو اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا مرتے وقت یہ افسوس کرتا
تھا کہ ساری عمر میں ایک اثر بھی کامل نہ کھینچ سکا۔

غرض پہلے زمانہ میں جیسے علم ادب میں صاحب کمال گذرے ہیں ویسے پچھلے زمانہ میں
نہیں ہوئے اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ انھوں نے صحیفۂ فطرت کے پڑھنے میں ایسی
کوشش اور محنت کی کہ کوئی بات سوا اسکے متاخرین کے لئے چھوڑی نہیں کہ وہ
انہیں کی نقل بڑی بھلی کیا کریں ہمیشہ وہ ایک علم کی طرف توجہ کرتے تھے اور اسی کے
اسرار جاننے میں محنت شاقہ اٹھاتے تھے۔ اگر شاعر بننا چاہتے تھے تو نثر سے ہاتھ
اوٹھاتے تھے اور اگر نثر میں کمال پیدا کرنا چاہتے تھے تو شعر نہیں کہتے تھے۔ اس لئے
پہلے زمانہ میں بہت ہی تھوڑے ایسے انشا پرداز گذرے ہیں کہ جنکو نظم و نثر دونو میں
کمال ہو۔ بلکہ نظم میں بھی وہ ایک قسم کی شاعری پر توجہ کرتے تھے۔ اِس زمانہ کی طرح
پہلے زمانہ میں ہفتہ وار اور ماہوار اور روزانہ اخبار نکلتے تھے کہ جھٹ پٹ اُن کی تصنیفات
شائع ہو جاتی اسلئے برسوں وہ اُن کے گھر میں پڑی رہتی۔ اور اُس کی اصلاح کا موقع
اِن باتوں سے ہاتھ لگتا۔ دشمنوں اور دوستوں کی رائے سے نئی نئی معلومات اور
خیالات معلوم ہوتے جب ذہن محنت سے آرام پاتا ہے تو از سر نو پھر اُس میں تازگی اور
توانائی خیالات کرنے کی پیدا ہو جاتی ہے۔ فرصت اور فراغت میں خود سوچنے سے
خیالات کی درستی ہو جاتی ہے۔ غرض اِن کی تصنیفات برسوں کی محنت مشقت کا
نتیجہ ہوتا تھا۔ پس جو لوگ کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی تصنیفات کو کامل بنانا تو
ان کو چاہیئے کہ وہ برسوں محنت کیا کریں۔ اور طرح طرح سے اپنی تصنیفات کی جانچ پڑتال
کیا کریں۔ یہ خبط خیال میں نہ جمالیا کریں کہ جو بات ہم کو رات کو سوجھتی ہے اور دن کو
ہم اسے شائع کرتے ہیں وہ صحیح اور درست ہی ہوتی ہے۔ اِس طرح اُن کے خیالات
بہت تاریک شائع ہونگے اور جلد لوگوں کی نظروں سے تصنیفات گر جائیں گی۔
فقط اُن کے دس پانچ دوست ہی اُن کی تصنیف کی تعریف کچھ دنوں تک کریں گے
ان کی زندگی ہی میں اُن کی تصنیفات مردہ ہو جائیں گی۔ کمال حاصل کرنا بڑی محنت

اور جانکاہی کا کام ہے۔ برسوں کی محنت و مشقت سے بھی حاصل ہو جائے تو بہت غنیمت ہے کمال حاصل کرنے میں بہت سہج سہج وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے۔ جو پھول پتے سایہ میں خشک ہوتے ہیں وہ بہت دنوں تک اپنے رنگ اور سرسبزی کو قائم رکھتے ہیں۔ اور جو دہوپ اور آگ کے سامنے آتے ہیں وہ جلد جھلس جاتے ہیں پس اسی طرح جن دانشوں کی تعلیم فرصت میں ہوئی ہے وہ زیادہ دیرپا ہوتی ہیں۔ وہ دفعۃً کی سختی اور زبردستی سے پختہ نہیں ہوتیں بلکہ وقت اور استقلال سے +

(۲) ایسے شخص کو کمال حاصل ہو سکتا ہے جو بہت زیادہ دوست اور سخت دشمن رکھتا ہے اسلئے کہ دوستوں کی نصیحت سے وہ اپنی خوبیوں پر اور دشمنوں کی فضیحت سے اپنے عیبوں پر آگاہ ہوگا۔

(۳) ہر چیز کے اندر کامل ہونے میں لوگ قصد کرتے ہیں مگر اکثر چیزیں ایسی ہیں کہ انمیں کبھی کمال حاصل ہو ہی نہیں سکتا جو کمال حاصل کرنے کا قصد کرتے ہیں اور اسمیں بڑی محنت و جانکاہی کرتے ہیں وہ کمال کے نزدیک بہ نسبت ان لوگوں کے پہنچ جاتے ہیں جو اپنی کاہلی اور مایوسی کے سبب کمال کا خیال اسوجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ ہم اس تک پہنچنے کے نہیں +

(۴) اگر تم وہ کمال حاصل کرنا چاہتے ہو جو تم میں نہیں ہے تو کبھی حالت موجودہ پر راضی نہ ہو اسلئے جس حالت سے تم اپنی خوش ہو جاؤگے وہیں ٹھیر جاؤگے جہاں تم نے کہا کہ مجھے کافی کمال حاصل ہو گیا وہیں سے زوال شروع ہو جائے گا۔ ہر کمالے را زوالے کے معنی یہی ہیں۔ کہ جہاں آدمی نے یہ سمجھا کہ میں کامل ہو گیا وہیں زوال شروع ہوا۔ ہمیشہ کچھ زیادہ کرو۔ ہمیشہ آگے بڑھو۔ ایک جگہہ نہ کھڑے رہو نہ اولٹے جاؤ نہ بہکو +

(۵) ہنر کو کمال قدر شناسی سے ہوتا ہے۔ قدر مرد است بعلم و قدر علم بکمال۔

تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا میں جن سلاطین اور امرانے علم و ہنر کی قدر شناسی کی
وہ زمانہ مخزن کمالات بن گیا۔ ہندوستان میں شہنشاہ اکبر کی قدر شناسی کے
سبب سے اہل کمال کا گھمگھٹ اسکے دربار میں لگا رہتا تہا۔ جن علموں اور ہنروں کی یہاں
قدر شناسی ہوتی رہی۔ اُن کے جاننے والے باکمال ہوتے رہے جب قدر شناسی
نیست ہو گئی تو وہ علم و ہنر بھی مٹ گئے۔

یورپ میں فقط سلاطین کی قدر شناسی سے کمال کو ترقی نہیں ہوتی بلکہ عوام و جمہور
کی قدر شناسی سے یہ عوام بادشاہوں سے بھی زیادہ قدر شناسی کرکے علم و ہنر سے ملک کو گلستان
بے بہار بناتے ہیں۔ ادہر ایک کام کو کسی نے بزور طبیعت ایجاد کیا۔ ادہر عوام نے اس کا
انعام دیا جس سے موجد کو تقویت ہوئی اور ایجاد کو کمال ہوا سلسلہ فطرت میں ہر چیز
کا کمال اسکی انتہا پر منحصر ہے۔ ابتدا میں کوئی ایسا ایجاد موجد نہیں کرتا۔ کہ اس میں کوئی
اصلاح نہ ہو سکے۔ یا اس میں ترمیم اور تکمیل کا موقع نہ ملے۔ ہمارے ملک میں جب کوئی
ہندو مسلمان ایجاد کرتا ہے تو اُسکی ابتدائی حالت کو انتہا کا سمجھکر اور پھر اپنی کم فہمی سے
پست فطرت اعتراض کرتے ہیں اور جہانتک ہو سکتا ہے موجد کی دل شکنی کرتے ہیں
اسی سبب سے ہمارے اہل وطن بے ہنری کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ کبھی اس بات
کی فکر نہیں کرتے کہ اپنی قوم کو کسی تدبیر سے علم و ہنر کا لباس پہنائیں اور ترقی کمال
سے آراستہ کریں۔ اور کمالات کی سچی قدر شناسی کرکے لوگوں کے دلوں میں اُس کی
عزت بٹھلائیں بلکہ بجائے اسکے ان کی جانب سے وہی ناقص قدر دانی ظہور میں آتی ہے کہ
موجد پر ہمیشہ طعن و تشنیع کے واسطے آمادہ ہو جاتے ہیں بجائے اسکے ان کی قوم کی
ناموری ہو اپنی ناموری کا خیال اُسکی بدنامی سے چاہتے ہیں۔ موجد کو بجائے سچا صلا
دینے کے تکلیف اور ایذا کا صلہ دیتے ہیں جس سے وہ بجائے حوصلہ بلند کرنے کے
حوصلہ پست کرتا ہے۔ اُن کو ذرا بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اپنی قوم کی ذلت عین اپنی

ذلت ہو اور اوس کی بے ہنری اور بے علمی اپنی بدنامی ہے۔ ہنر کی ترقی اور کمال کا
عروج ہمیشہ اس بات پر موقوف ہو کہ زمانہ کے لوگ خواہ سربرآوردہ خواہ عوام اوس کی
قدر کریں اور اہل کمال کی توقیر اور عزت اور سلوک میں بدل ساعی ہوں۔ اس ملک
میں یہ سمجھ ہی نہیں کہ اہل کمال کی قدر و منزلت سے کیا نتیجہ ہے اور ملک کو اس سے
کیا فائدہ ہے۔ وہ یہ سمجھے نہیں ہیں کہ کونسا کمال کس قدر و منزلت کے لائق ہو۔ اس
قسم کا مذاق ہی جاتا رہا ہو۔ وہ اہل یورپ کو دیکھیں کہ اون کی قدردانی اور جوہر شناسی
علم و ہنر نے ان کے ملکوں کو دنیا کے پردہ پر بے نظیر بنا رکھا ہو علم و فضل کے روبرو
روپیہ کی بے انتہا مقدار کو ذلیل و خوار سمجھتے ہیں۔

دفعۃً دولت ملنے سے آدمی پر کیا اثر ہوتا ہو

یہ ایک بڑا پرانا تجربہ چلا آتا ہو کہ آدمی کی جیسی دولت مندی بدلتی ہو ایسی ہی
اوس کی حالت بدلتی ہو اور اوس کے رنگ ڈھنگ اوضاع و اطوار متغیر ہوتے ہیں۔
اگرچہ یہ ٹھیک ٹھیک بتلانا نہایت مشکل ہو کہ کسی غریب آدمی کو دفعۃً دولت و حکومت
ہاتھ لگ جائے تو اوسکی کیا حالت ہوگی۔ مگر اس نسبت کا اتفاق ہو کہ بہت ہی کم
آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جو دفعۃً دولت اور حکومت پائیں اور اون کے اخلاق بہتر
ہو جائیں۔ جب گلستان دل پر دولت کا آفتاب چمکتا ہو تو حماقت کے کانٹوں کے درخت
خوب پھولتے پھلتے ہیں۔ مگر نیکی کی کلیاں کھلنے نہیں پاتیں کہ مرجھا کر گر جاتی ہیں یہ
رائے نو دولتوں کے باب میں اس قدر مشاہدوں کے بعد قائم ہوئی ہے کہ اوس کے
برخلاف مشاہدے ایسے کبھی نہیں ہونگے کہ وہ اوس کو منقطع کر کے برباد کر دیں۔
بہت سے آدمی ہر حالت میں خراب ہوتے ہیں اون کی اعلیٰ اور ادنیٰ حالت میں جو فرق
ہوتا ہو وہ یہ ہو کہ اعلیٰ حالت میں وہ اپنی خواہشوں کو زیادہ پورا کر سکتے ہیں اور ادنیٰ
حالت میں کم۔ یا آدمیوں کی مذمت کے خوف سے زیادہ رک سکتے ہیں۔ بہت سے

واتفاق کا۔ دوستوں کی عنایت کا۔ اور ہزاروں باتوں کا جو ہر واقعہ میں ایسی پیش آتی ہیں کہ جن میں تدبیر کو ذرا بھی دخل نہیں ہوتا کوئی حصہ ہے۔ وہ ساری کامیابی کو اپنی حسن لیاقت سے منسوب کرتا ہے اور اپنی خیالی لیاقتوں سے بڑے بڑے دعوے کرنے لگتا ہے۔ اور اپنی قدر وقیمت دولت کے اعتبار سے لگاتا ہے۔ نیکیوں کے اعتبار سے نہیں پس اسی اعتبار سے لوگ اسکے مقابلہ میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور حسد و رشک سے اُس کی اچھی باتوں کے بھی بُرے معنی لگاتے ہیں۔ اُسکی آزادی کو اکھڑ پن۔ اُس کی متانت وسنجیدگی کو تصنع وکشیدگی اسکی ظرافت کو خطا و قصور۔ تواضع اور تعظیم کی ملاقات کو حماقت۔ اسکے بے تکلف ملاپ جلاپ کو گستاخی وبے ادبی۔ غرض ہر حرکت پر اعتراض قاعدہ ہے کہ جتنی ناگہانی اور دفعتہً تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ اندیشناک ہوتی ہیں ایسی ہی اس تبدیلی میں بھی سلامتی نہیں کہ دفعتہً مفلسی سے آدمی بڑا دولتمند ہوجاوے جن عیش وعشرت کی چیزوں کو حسرت کی نگاہ سے مدتوں تک دیکھتا رہا ہو اور اُن تک رسائی نہ ہوئی ہو وہ دفعتہً ہاتھ لگ جائیں تو نہایت مشکل ہے کہ آدمی ایسے اعتدال طبیعت کو رکھے کہ وہ عقل کو سلامت رہنے دے۔ مشہور ہے کل جدید لذیذ جو چیز نئی ہاتھ آتی ہے وہ عزیز ہوتی ہے۔ اشتہا ہر تفریح کو بڑھا دیتی ہے اور اصلی قیمت سے زیادہ اس کا تخمینہ کراتی ہے۔

نودولتوں اور پشتینی دولتمندوں میں صاف فرق نظر آتا ہے۔ نودولت کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کال کے مارے کو روٹی ہاتھ لگے۔ وہ اپنی دولت سے عیش وعشرت کرنا بہت جلد چاہتا ہے۔ لباس کی بھڑک۔ سواری اور اسباب خانہ کی رونق۔ دسترخوان کی پرالوانی۔ غرض یہ ساری باتیں اپنی شان ونمود کے لئے بڑے کروفر سے دکھاتا ہے۔ ہزاروں پرانی چیزیں ایسی ہوتی ہیں وہ کثرت ممارست سے نظر میں بے قدر ہوجاتی ہیں اور اُن پر ذرا توجہ نہیں ہوتی۔ مگر اوسکے برخلاف نئی چیزوں کا حال ہوتا ہے

آدمی کو بہت سے فائدے ایک ساتھ نہیں مل سکتے

بہت سی نعمتیں آدمی چاہتے ہیں اور اُن میں تھوڑی سی ملتی ہیں اسواسطے اکثر آدمی ایسے
ہوتے ہیں کہ وہ بجاے شکر کرنے کے شکایت کرتے ہیں اور ہمت و استقلال سے اپنی حالت
کو بہتر کرنے کی عوض ہیں اوس حالت میں ٹھیر جاتے ہیں جس سے خوش نہیں ہوتے
مشیت ایزدی نے انسان کی خوشیوں کی ایک سرحد نہایت مستحکم مقرر کردی ہے جو کسی
طرح اپنی جگہہ سے ٹل نہیں سکتی۔ اُس نے انسان کی خوشیوں کو باہم ایک دوسرے ایسے درانے
فاصلوں پر رکھا ہے کہ اُس کی قدرت سے باہر ہے کہ وہ سب پاس جا سکے ہر انسان کو
یہ قانون سمجھہ لینا چاہئے کہ متضاد چیزیں یکجا جمع نہیں ہوسکتیں جن چیزوں کو قدرت نے
الگ الگ ایسا بنایا ہو کہ وہ جمع نہیں ہوسکتیں ان کے ملانے میں اپنی عمر ضائع نہ کرے
نقیض صفات کے پیدا کرنے کا قصد کرے متضاد کے متفق کرنے میں اپنی زندگی برباد نہ کرے
جو چیزیں آدمی کے متضاد اطراف میں رکھی ہوں تو یہ امر ناممکن ہو کہ آدمی ایک چیز کے نزدیک
جائے اور دوسری سے دور نہ ہو جائے خواہ کیسا ہی کوئی سوچ بچار کرے اور منصوبے باندھے
وہ دونو ہاتھہ نہیں آسکتیں مگر ہاتھہ سے جا سکتی ہیں ان دونو کا آپس میں مقابلہ کر کے فیصلہ
کرے کہ کس کو ترجیح ہی جس کو ترجیح ہو اوس کی طرف چلے۔ پھر دوسری جانب رخ کرنا عقل کے
خلاف ہی خواہ وہ کیسی ہی قدرت ہماری آنکھوں کو اپنی بہار دکھانے کی اور خیالات کے
پرورش کرنے کی رکھے۔ جو شخص ناجائز خوشیوں کی ترغیب میں آکر اُن کی جانب مڑ جائیگا
وہ نیکی کی راہ میں کبھی سلامتی کے ساتھہ نہیں چلے گا۔ انسان بڑی غلطی یہ کرتا ہے کہ وہ
ان حالتوں سے خوش نہیں جنکے اندر اوسکی اصلی خوشی موجود ہوتی ہے۔ وہ علم کی خوبیوں
سے خوب آگاہ ہی۔ وہ صحت کی کل منفعت کو سمجھتا ہی۔ تونگری کے آراموں کو جانتا ہے۔
مگر اُس یقین کا اثر دل پر کچھہ نہیں۔ بہت سے آدمی علم کی تعریف بھی کرتے ہیں اوسکی
تحصیل کا شوق بھی ظاہر فرماتے ہیں مگر کاہلی کا تکیہ لگا کے ایسے سوتے ہیں کہ علم کی آوازوں سے

لینے کی قدرت رکھتے ہیں مگر اس کا ارادہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے نیک و بد پر غور نہیں کرتے کہ
ان میں سے ایک چھوڑیں اور دوسرے کو اختیار کریں وہ غفلت اور بے پروائی میں
رہتے ہیں۔ اور بخت و اتفاق پر بھروسہ کئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور
کچھ کوشش بھی نہیں کرتے۔ آخر کو روتے ہیں کہ ہائے ہم نے یہ نہیں کیا وہ نہیں کیا۔

ہم کن آدمیوں کو ہنسی میں اڑایا اور بنایا کرتے ہیں

ہر آدمی میں دو طرح کی صفات ہوتی ہیں ایک وہ جو سب آدمیوں میں مشترک ہیں اور
اس کو ممیز از حیوان بناتی ہیں دوسری وہ صفات جو اسکو اپنے نوع بشر میں ممتاز
کرتی ہیں اور خاص اسکی طبیعت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں پس اپنی ان صفات کی [illegible]
وہ انسانیت کے قوانین عظیم کی مخالف نہ ہوں نہایت احتیاط سے مستقل طور پر رکھنی چاہئیے۔
بہت ہی کم مجالس نشاط ایسی منعقد ہوتی ہونگی کہ جنمیں کوئی نہ کوئی آدمی ایسا
نہ ہوتا ہو کہ جسکو لوگ ہنسی میں نہ اڑاتے ہوں۔ آدمی کی ہنسی میں خاک جب ہی اڑتی
ہے کہ وہ اپنی اصلی خصلت کو بدل کر جعلی خصلت کے لباس میں دکھاتا ہے اور وہ
چیز اپنے میں دکھانی چاہتا ہے جو نہ تعلیم و تربیت نے نہ قدرت نے اسمیں پیدا کی ہے
غبی جاہل کو دن سے کوئی خوش نہیں ہوتا۔ مگر کوئی اس کی ذلت اور خواری
بھی نہیں کرتا۔ جب تک کہ وہ اپنے تئیں عالم نہیں ظاہر کرتا اور علم میں دون کی نہیں لیتا
اکھڑ اور بے ڈھنگے آدمی دلوں کو اسطرح تسخیر نہیں کر سکتے جیسے کہ خوش خلق اور نرم
مزاج مگر کوئی انکو ہنسی میں نہیں اڑاتا جب تک وہ بگلا بھگت بن کے اپنے تئیں بڑا خلیق نہیں
جتلاتے۔ بدصورت پر رحم زیادہ بہ نسبت حقارت کے لوگ کیا کرتے ہیں۔ مگر جب وہ لباس
اور زیب و زینت کر کے لوگوں کی نظروں میں خوب صورت بننا چاہتا ہے تو اس کو
بنا کے ذلیل کرتے ہیں۔ بازار میں کھڑے ہو کر بھیڑ بھاڑ کو دیکھو تو بہت سے آدمیوں کی وضع
طرح پر تم کو بے اختیار ہنسی آئے گی اور خواہ مخواہ وہ نظر میں ذلیل جچینگے اسکا سبب

کسی کی بیماری اور نہ کسی کا عیب و نقص جو مجبوری سے ہو بلکہ کسی کا اتمام اترا کے چلنا
کسی بانکے ترچھے کا زنانہ پن کسی نامرد کا اوچھا پن یا کسی جاہل کا عالمانہ شملہ و دستار
کا رکھنا غرض اس چیز کا دکھانا جو اس کی اصلی نہیں ہے۔ ایسے آدمی اپنے تئیں خود
بناتے ہیں تاکہ وہ بزرگی اور عزت پائیں اور لوگ تعریف کریں مگر اُن کو یہ جاننا چاہیے
کہ جن ارباب کمال میں اصلی قابلیتیں اور لیاقتیں ہوتی ہیں اُن کی تحسین و آفرین
میں تو لوگ مضائقہ کرتے ہیں اُن کی جعلی لیاقتوں کی کون تعریف کرے گا۔ اس سے
تو اُن کی خوب خاک اڑیگی اور ذلت ہوگی۔

دوالہ

عالم تجارت میں سوداگروں کے دوالہ سے بڑا زلزلہ آتا ہے۔ یہ دوالیے اپنی صورت
ظاہری بڑے دولت مندوں کی سی بناتے ہیں تاکہ اُن کا اعتبار ایسا پیدا ہو کہ
وہ اوروں کے سرمایہ سے تجارت کریں اور لوگوں سے قرض لیں جس کے ادا
کرنے کی کوئی صورت سوا اس کے نہ ہو کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے غرض چند روز
وہ اس طرح سے اپنی تجارت کے کارخانے وسیع بنا کے چلاتے ہیں لیکن دفعتہً وہ
ڈوب جاتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ساتھ لے ڈوبتے ہیں جو اُن کے بھی ساز و
سامان کی شان بنانے کے معاون تھے۔ آپ خود مفلس ہو جاتے ہیں اور اوروں کو
بھی مفلس کرتے ہیں۔

آدمی اپنے تئیں بڑا دھوکہ دیتا ہے

اپنی لیاقت۔ قدرت۔ قابلیت کے اندازہ کرنے میں انسان کی رائے بڑی
خطا کرتی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا ہے کہ مجھے اپنا علم جتنا زیادہ ہوگا اوتنا ہی میں
خطائیں گنتا ہوں۔ حماقتوں سے بچوں گا۔ میری خود شناسی جتنی زیادہ ہوگی
اوتنی خدا شناسی بڑھے گی۔ اور اس سے میرے خیال افعال مجموعہ مسرت بنجائینگے

مشکل ہے کہ آدمی خودشناس ہو۔ جہاں دیکھو وہاں یہ نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں کی جتنی قدر
خود کرتا ہے اتنی دوسرا کوئی اور نہیں کرتا۔ وہ اپنی خوبیوں کی ایسی تعریف کرتا ہے کہ کوئی
اوس کا عاشق بھی اُن کی اتنی ستائش نہیں کرے گا۔ یہ خودپسندی جو اوس کے دل میں
خیالی نیکیوں کو پیدا کرتی ہے۔ اُس کو لوگ ریاکاری اور تعریف و اعتبار کی جعل سازی
جانتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے اسلئے جو اس طرح اپنی شہرت پھیلاتے ہیں پہلے
وہ خود فریب اور دہوکہ کھاتے ہیں اوروں کو فریب نہیں دیتے ہیں۔ انسان کو اپنی
ذات سے ایسی محبت ہے کہ نہایت مشکل ہے کہ وہ اپنے عیبوں اور برائیوں کو دیکھ سکے
محبت ہمیشہ محبوب کے عیبوں کے دیکھنے میں اندہی ہوتی ہے۔ وہی آدمی اپنے دل کا
حال خوب صحیح جان سکتا ہے جو انسان کے دل کا حال خوب جانتا ہے۔ انسان اپنے
میں اس نیکی کی عادت کا یقین کرتا ہے جو اوس نے ساری عمر میں ایک دفعہ کی ہو مثلاً کسی
کنجوس نے اپنے ایک دوست کو قید سے کچھ روپیہ کی مدد کرکے بچایا ہو تو وہ صرف
اس ایک دفعہ کے سلوک کو یہ جانے گا کہ میری عادت ہے کہ میں دوستوں کے ساتھ
دولت سے سلوک کیا کرتا ہوں۔ جب کوئی بخیل پر لعنت ملامت کریگا تو مثال اپنی فیاضی
کی پیش کرکے اپنے دل کو راضی کر لے گا۔ جیسے بعض شیشوں کی خاصیت ہوتی ہے
کہ اگر اُن کے ایک سرے کو آنکہہ سے لگاؤ تو وہ چیزوں کو بڑا کرکے دکھاتے ہیں اور دوسرے
کو لگاؤ تو چھوٹا۔ ایسے ہی مغالطوں سے برائیاں چھوٹی اور نیکیاں بڑی ہو جاتی ہیں
بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نیکیاں اپنے میں سمجھنے لگتے ہیں جو اوروں کو کرنے
کے لئے وہ سمجھاتے ہیں۔ فیاضی۔ اعتدال۔ ایمانداری کا بیان جب وہ فصاحت سے کرتے
ہیں تو جانتے ہیں کہ یہ نیکیاں ہم میں خود پیدا ہوگئیں اس غلطی میں اکثر وہ لوگ پڑتے ہیں جنکا
پیشہ نیکیوں کے سمجھانے کا ہے۔ وہ فقط اس بیان کرنے پر اکتفا کرکے اپنی چال چلن پر متوجہ
نہیں ہوتے کہ وہ کیسا ہے۔ ایسے آدمیوں کا بھی ایک گروہ ہے کہ وہ اپنی بری چال چلن کو

مذہبی پیمانے سے نہیں ناپتے۔ بلکہ اور لوگوں کے اطوار سے اگر وہ خراب تر ہیں اور یہ غنیمت
تو اپنے تئیں نیک جانتے ہیں۔ اگر اور دس گناہ کرتے ہیں اور یہ نو تو اپنے تئیں بڑا پاک
جانتے ہیں غرض یوں ہم اپنے تئیں آپ دھوکا دیتے ہیں اپنے تئیں نہیں جانتے سقراط کا
قول ہے کہ موت اس شخص پر بڑی سخت ہوتی ہے۔ جو اپنے تئیں نہیں جانتا اور بہت
سے لوگ اس کو جانتے ہیں آدمیوں کو چاہیئے کہ اپنے تئیں جانیں جس پر تمام نیکیاں موقوف

بھلے آدمیوں کی قسمیں

جب ہم کسی شخص کی طبیعت میں شرارت ظاہری نہیں دیکھتے اور کوئی برا کام کرنا اس کا
ہمیں نہیں معلوم ہوتا تو ہم اسکو بھلا آدمی کہتے ہیں گو وہ کوئی علم و ہنر رکھتا ہو اور اعلیٰ
درجہ کا تعلیم یافتہ نہ ہو۔ ان بھلے آدمیوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اور
آدمیوں کو ایسی تکلیف پہنچتی ہے جیسے سونے والے کو چارپائی میں کھٹملوں سے
بعض ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں انھوں نے کسی شخص کو ایسا کام کرتے ہوئے
دیکھا کہ جسمیں خدا پرستی اور نیکی ہو وہاں انہوں نے اسپر الحاد اور کفر کا فتویٰ دیدیا
ایک شخص کو نماز قضا کرتے دیکھا۔ اس پر جہنمی ہونے کا حکم لگا دیا بعض ان میں
ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نصیحت ہی کرتے پھرتے ہیں۔ جہاں کسی دوست سے ملے
اس کو سمجھانا شروع کیا کہ تم اس شخص سے دوستی کرکے پچتاؤ گے۔ اگر اس سے معاملہ
داد و ستد کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ فلاں فلاں چیزیں ساتھ کھاؤ گے تو
کوڑھی ہو جاؤ گے۔ اس مرض کا علاج کرو گے تو مر جاؤ گے بعض ان میں ایسے ہوتے
ہیں کہ وہ جس شخص سے ملتے ہیں اس سے یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص تمہاری تعریف کرتا تھا
اور فلاں شخص ہجو۔ معلوم نہیں کہ وہ تعریف کیوں کرتا تھا اور ہجو کیوں بعض ایسے
ہوتے ہیں کہ اوروں کو تکریم و تعظیم و آداب کے لئے تاکید و تنبیہ کرتے رہتے ہیں
غرض یہ پانچ جہت کے بھلے آدمی ہوتے ہیں جنکے یہ کام ہوتے ہیں +

گناہ

(۱) خدا سے سرکشی کرنے کا نام گناہ ہے۔ کوئی چیز دنیا میں خدا سے ضد کرنے والی
گناہ کی برابر نہیں ہے۔ خدا نور ہے گناہ ظلمت ہے۔ خدا تعالیٰ حسن و جمال با کمال
گناہ زشت و کریہ منظر ہے۔ خدا کبھی کسی طرح گناہ سے راضی نہیں ہوتا۔ خواہ گناہ
کی صورت کیسی ہی شیریں آدمی بنائے مگر اُس پر خدا تعالیٰ کبھی التفات نہ کرے گا۔

(۲) انسان ان وسائل کی تلاش کے درپے اتنا نہیں ہوتا کہ جس سے اوس کو
معلوم ہو کہ کیا اُسکو کرنا چاہیے جتنا وہ اِن کاموں کو کرنے ہو سمجھتا ہے جن کو
وہ چاہتا ہے۔ شہوات نفسانی اور جہالت اور تعصب کا غلبہ انسان پر وہ غالب ہے
عقل ہرچند اُسکو نیک کام کی طرف ہدایت کرتی ہے مگر وہ اُس کی سنتا نہیں کہ کیا
بکتی ہے گناہ کا اصل اصول جہالت۔ حماقت۔ غفلت ہے۔ سمجھ میں ایک غلط مقدمہ
پہلے سے ایسا مرتب ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ارادہ کو غلط طور پر کام میں لاتا ہے
جب جکڑ آتا ہے تو آدمی کا پاؤں لڑکھڑاتا ہے۔ انسان کسی کام کی تمام حالتوں پر غور نہیں کرتے
اگر غور کرتے ہیں تو عملاً اوس کا فیصلہ نہیں کرتے کہ یہ کام بُرا ہے بلکہ اوس کے برخلاف
یہ سمجھتے ہیں کہ یہ گناہ کا کام فائدہ مند اور مزہ دار ہے۔ بُرا دل گو مقدمات کو نیک مانے
مگر اُن کے نتیجے ہمیشہ اُلٹے نکالے گا۔ شہوت نفسانی قلب کو اُلٹا کر دیتی ہے۔ تحقیق حق میں
تعصب اور جہالت سے دل کو معمور کر دیتی ہے۔ سیاہ قلبی اور شہوات نفسانی میں ہمیشہ
مصالحت رہتی ہے مغائرت ہوتی نہیں جنکا قلب پروا ہوتا ہے۔ اُن کا مذہب بھی ایسا
ہوتا ہے کہ اُن کی شہوت پرستی کو بے لطف نہیں ہونے دیتا اور نہ شہوت پرستی اُن کو
دق کرتی ہے جسکا قلب غافل ہو جاتا ہے وہ ظلمت کو نور سمجھتا ہے۔ راستی کو جھوٹ جانتا ہے
جن باتوں کو چاہتا ہے یقین کرتا ہے۔ اُن باتوں کو یقین نہیں کرتا جنکو یقین کرنا اُسپر فرض تھا
اُسکے قلب سیاہ میں بھول بھلیاں اور ایچ پیچ کی راہیں اور کمینیں ہوتی ہیں کہ جنمیں شہوات

نفسانی [illegible] ابھی رہتی ہیں۔گناہ گار اپنے گناہوں پر کبھی ریا کا کبھی مذہب کا نقاب ڈال لیتا ہے
کبھی بُرے کام کا نام اچھا لیتا ہے کبھی بُرے ارادہ کا انجام نیک بتلاتا ہے کبھی بدکاری
کے سبب کو نیک ٹھیراتا ہے۔اُس کی شہوت پرستی جب کسی قانون اور قاعدہ کے موافق
نہیں ہوتی تو وہ اُن کے لیے قاعدے گھڑ لیتا ہے۔پرانی غلطیوں کے صحیح ہونے کی نئی
نئی دلیلیں بیان کرتا ہے شہوت پرست گناہوں کے باب میں اپنے مباحثے و دلیلیں
کرتے ہیں کہ جتنے بڑے گناہوں کا چھوٹا ہونا اور چھوٹے گناہوں کا بالکل گناہ نہ ہونا
ثابت ہو۔غرض یہ جہالت غفلت گناہ کی اصل اصول ہیں۔

(۳) گناہ گاروں کو گناہ بہلاوا دیتا ہے اور زندگی۔خوشی۔فائدے دینے کے وعدے
کرتا ہے مگر وہ دیتا کیا ہے۔موت۔رنج قلق دیتا ہے پس جو گناہ کی اس دغابازی مکاری
جھوٹ کو سمجھنا چاہے وہ اوس کے وعدے اور ایفاء وعدہ کو دیکھ لے کہ کیا دینے کا وعدہ کرتا
ہے اور کیا دیتا ہے شکر دینے کا وعدہ کرتا ہے اور زہر دیتا ہے +

(۴) آدمی کو چاہیئے کہ اول ہی وہ گناہ کو دل میں داخل ہونے سے روکے اور اس کی ترقی
نہ ہونے دے۔گناہ کو ایک جگہہ قرار نہیں ہوتا ہے۔اگر تم اس سے پیچھے نہ ہٹو گے اور اسکے
ساتھ آگے بڑھو گے تو اتنا ہی پیچھے پھر آنا دشوار ہوتا جائیگا۔یہ چھوٹے چھوٹے گناہ
انسان کی زندگی میں ایک دھارا ہے جو سہج سہج تم کو جہنم کی طرف بہائے لئے جاتی ہے
اگر اُس میں بڑے گناہ شامل ہوگئے تو اُس دھار میں وہ طغیانی آئے گی کہ تم کو بہت
تیز رفتاری کے ساتھ اُس کا زور دوزخ تک ایسا جلد پہنچا دیگا کہ کبھی چھوٹے گناہوں
کی دھار نہ پہنچاتی۔کبھی سینے میں گناہ کو جگہہ نہ دو اوس کے دو متضاد اثر دل پر ہوتے
ہیں۔کیا وہ دل کو ڈراتا ہے یا سن کرتا ہے۔اکثر دوسری صورت ہوتی ہے۔چھوٹے چھوٹے
گناہوں کے کرنے سے آدمی بڑے بڑے گناہ کرنے لگتا ہے۔اُن کا نہ کرنا حفظ ماتقدم
بڑے گناہوں سے ہے۔کوئی شخص عصیاں کاری اور شرارت میں دفعۃً کامل نہیں ہو جاتا

شیطان بڑا سیانا ہے وہ پہلے بری ترغیبیں چھوٹی چھوٹی دے کر اپنی راہ پر لاتا ہے اسلئے ابتدا ہی میں گناہ سے احتراز چاہئے۔ اسکی ابتدا میں ایسی شیرینی ہے جیسی اس کی انتہا میں تلخی ہے۔ ابتدا میں اسکا کرنا جیسا سب طرح سے خوش معلوم ہوتا ہے ایسا ہی انتہا میں وہ سب طرح رنج دیتا ہے۔ گناہ لوگ اپنے فائدہ کے لئے کرتے ہیں مگر کبھی اس سے فائدہ نہیں پہنچا جب موت نظر آتی ہے تو بھی چھوٹے چھوٹے گناہ جنکو کیڑوں کی طرح پاؤں تلے روندا تھا اژدہے بن کر کاٹنے لگتے ہیں۔

(۵) اگر گناہ کے چہرہ پر کوئی نقاب پڑا ہوا اور کوئی روغن اور ملمع نہ کیا ہو تو وہ ایسا ڈراونا اور گھناونا نظر آئے گا کہ اس کی طرف رغبت کرنا ناممکن ہوگا بلکہ ایسی نفرت اس سے ہوگی کہ کسی طرح اس کے پاس جانے کو جی نہیں چاہے گا۔ انسانوں خاندانوں قوموں سلطنتوں۔ دنیاؤں میں کوئی خلل انداز گناہوں سے بڑھ کر نہیں ہے دیکھو کہ سلطنتوں اور ریاستوں کے برباد کرنے والے شریروں اور بدکاروں کے سوا اور کون ہے۔ گناہ گار تو خالق اور مخلوق دونو کا دشمن ہوتا ہے۔

(۶) گناہ جو تمہارے ساتھ سلوک کرتا ہے تم بھی وہی سلوک اس کے ساتھ کرو۔ وہ تمہاری ہلاکت کے درپے رہتا ہے تم بھی اوس کی ہلاکت کے پیچھے پڑو۔ اس سے پہلے کہ وہ تمکو ہلاک کرے تم اس کو ہلاک کرو قتل موذی قبل ایذا۔ وہ تمہارے جسم کو کھا سکتا ہے سر کو قبر میں دفن کر سکتا ہے مگر وہ تمہاری روح کو اور تم کو فنا نہیں کر سکتا۔ گناہ میں جو گرفتار ہوتا ہے وہ آدمی ہوتا ہے جو اس سے نادم اور رنجیدہ ہوتا ہے وہ ولی ہوتا ہے اور جو اس کی شیخی مارتا ہے وہ شیطان ہوتا ہے۔ اولیا اور شہدا بھی گناہوں سے پاک صاف ہو کر معصوم نہیں ہو سکتے۔ ایک گناہ میں وہ ضرور ہوتا ہے کہ آدمی کی ساری قوتیں اُسے ہٹا نہیں سکتیں خدا ہی اُس کو دور کر سکتا ہے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی کبھی گناہ کی عادت ڈالے اور اُس میں مداومت کرے بہرہ

کسی طرح نہیں دور ہو سکتا - آگ کا بجھانا چنگاری کے بجھانے سے زیادہ دشوار ہوتا ہے
جس مرغی کے انڈے کو سانپ سیئے اور اُس سے جو جھوٹ موٹ کا سانپ پیدا ہو اُسکا مار ڈالنا
سانپوں کے مارنے سے بہت آسان ہے - پیرانہ سالی میں گو جسم نہایت ضعیف و ناتوان
ہو جاتا ہے مگر کوئی عضو بعدم نہیں ہوتا کہ اُس کا گناہ معدوم ہو جائے - داغ دھبا جتنے
دنوں زیادہ رہتا ہو اُتنا ہی وہ گہرا ہو جاتا ہے - جن کو گناہ کرنے کی عادت ہوتی ہے
گو وہ علانیہ جوانی بکے سے گناہ نہ کریں مگر خیالاً وہ جوانی سے بھی زیادہ گناہ کرتے ہیں
گناہ سوءِ مزاج کا مرض ہے - گناہ گاری اچھے طبیبوں کو پیدا کرتی ہے - ہمارے گناہوں کا
حال ہمارے سایہ کا سا ہے کہ عروج کے وقت وہ بالکل ظاہر نہیں ہوتے اور زوال کے
وقت شام کو زیادہ بڑے معلوم ہوتے ہیں روحانی گناہوں سے زیادہ جسمانی گناہ ہم کو
بدنام کرتے ہیں مگر نحوست و شامت میں دونو برابر ہیں - گناہ امید کو نا امیدی سے بدلتا ہے
عاقلوں کو احمق بناتا ہے معصوموں کو عصیاں کار - اس کا اثر زہر کا سا ہوتا ہے کہ تمام
قوائے روحانی کو توڑ دیتا ہے اور سارے کاموں میں سرایت کر جاتا ہے اور ایسا زبردست
اثر کرتا ہے کہ اوس کا ازالہ خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے +

توبہ

(۱) توبہ اُس کام کے چھوڑنے کا نام ہے جس کو آدمی یقین کرے کہ میں نے اُس کے کرنے سے
خدا کو ناراض کیا ہے - توبہ کرنا گیا سے [illegible] او پر لعن طعن کرنا - اپنے تئیں دوزخ کا مستحق
جاننا - خدا سے گناہ کی سزا سے اُس کو عین عدالت کہنا - گناہ کی ندامت کو ہمیشہ پیش
نہاد خاطر اور مد نظر اس طرح رکھنا کہ جیسے دل میں قلق پیدا ہو - دائیں ہاتھ کو کاٹنا اور آنکھ
کو نکالنا یعنی اُن نشاط آمیز گناہوں کو چھوڑنا جو جان کی برابر عزیز تھے - اُن سے نفرت کرنا
پھر اُن کو نہ کرنا - ایسا عادت کرنا گویا اُن کی طرف رغبت کرنا ہماری فطرت ہی میں نہ تھا
توبہ ایک دلی ندامت ہے جس سے آئندہ کی زندگی پاک صاف ہوتی ہے - توبہ میں معلوم

بنانے کی قدرت ہے۔ گناہ کی ندامت کے سبب جو آنکھ سے آنسو نکلے وہ نیکی کو مقدس بناتا ہے۔ مگر یہ آنسوؤں کی جھڑی برابر لگی رہے۔ اُسکے ایک دفعہ کے برسنے سے کام نہیں نکلتا کیونکہ توبہ فقط ایک دفعہ کا کام نہیں ہے بلکہ وہ ایک متواتر سلسلہ ہے جو برابر جاری رہے۔ توبہ کے رنج و قلق میں جو لطف ہے وہ کسی خوشی میں مزہ نہیں۔ یہی رنج ایسا ہے جس پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں توبہ ہی آدمی کو آیندہ کے لئے معصوم بناتی ہے۔ توبہ ہی زمانہ ماضی کی قبر کو سبزہ و لالہ سے ڈھک دیتی ہے۔ گناہوں سے جھوٹی توبہ کرنی گناہوں پر اور اضافہ کرنا ہے۔ توبہ کرکے پھر گناہ کرنا ڈکر کے چاٹنا ہے جس سے معدہ اور زیادہ خراب ہوتا ہے۔ سچی توبہ وہ ہے جو آدمی اس سبب سے کرے کہ میں نے گناہ سے خدا تعالیٰ کو اپنے سے ناراض کیا ہے نہ اس خوف سے کہ خدا مجھے جہنم میں ڈال دیگا توبہ میں رنج و غم غلام کا سا نہ ہو بلکہ بچے کا سا۔ سچی توبہ انسان کے اعمال زندگی کو بدل دیتی ہے خوف اور ندامت ایسی دامنگیر ہوتی ہے کہ بدکاری میں قدم نہیں رکھنے دیتی۔ گناہ سے دل ایسا غمزدہ ہوتا ہے کہ گناہ کرنے سے خوف کے مارے آدمی لرزتا ہے۔ ترک عصیاں کاری فتویٰ جناب باری کو بدل دیتی ہے +

(۲) بعض آدمی توبہ کرنے کو فعل عبث جانتے ہیں۔ بعض توبہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ مگر اکثر توبہ کرنے میں تساہل کرتے ہیں اس تساہل کے سبب دو مغالطے ہوتے ہیں اول مغالطہ یہ کہ آدمی خدا تعالیٰ کی رحمت پر خوردبین کا شیشہ لگا کے اُس کو بے حد و نہایت سمجھنے لگتا ہے اور جانتا ہے کہ کسی قانون اور قاعدہ کی وہ پابند نہیں۔ خواہ میں کیسے ہی گناہ کروں وہ معاف کردیگا وہ جانتا ہے کہ خدا کی رحمت بے آسروں کا آسرا ہے خوف زدوں کا مامن ہے۔ زخمیوں کا مرہم ہے ناتوانوں کی توانائی ہے۔ مردہ دلوں کی روح افزائی ناامیدوں کی امیدگاہ غرض خدا کے لطف و کرم پر اعتبار کرکے توبہ کرنے میں تساہل کرتا ہے۔ دوم خدا کی عدالت کے سمجھنے میں غلطی کرتا ہے کہ اُسکو یقین ہے کہ وہ گناہ نہیں ... سزا دیگی۔ اسلئے وہ توبہ سے یہ نہیں جانتا کہ گناہ بخشے جائینگے اسکو بالکل ... گناہ ... آدمی ... کے گناہ

۔۔ وہ یہ جانے گا کہ اگر میں ذرا بھی اسکے حکم سے سرتابی کرونگا تو وہ کبھی میری خطا کو اپنی
عطا سے معاف نہیں کرے گا ۔ پس وہ اپنا خیال خدا کی رحمت کی طرف سے اٹھا کے یہ
جانے گا کہ وہ ایسا حاکم ہے کہ عفو کرنے میں اور رضامند ہونے میں نہایت سخت ہے
اسکو وہ یہ جانے گا کہ ایسا دشمن ہے کہ جس میں نہ انتہائی دانائی ہے نہ اسکو کوئی
دہوکا دے سکتا ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے نہ اُس سے مقابلہ کر سکتا ہے ۔
قاعدہ ہے جہاں امید نہیں وہاں سعی نہیں ۔ انسان دنیا کے کاموں میں ایسا مصروف
رہتا ہو کہ وہ خدا کی ایسی اطاعت و اطاعت نہیں کر سکتا کہ جسمیں کبھی قصور نہ ہو پس اگر
خدا کی بخشائش کی امید بندہ کو نہ ہو تو یہ ناامیدی انسان کا قدرتی تنزل ایک گناہ
سے دوسرے گناہ کی طرف کر تی چلی جائے گی ۔ امید بخشائش ہی تو بندہ کو نیکی
کی راہ پہ لے جاتی ہے جب وقت ہوا و نفسانی کا جوش فرو ہو جاتا ہے تو انسان کو پھر
از سر نو یہ امید تقویت دیتی اور جن دشواریوں نے اسے مایوس کیا تھا اور جن غفلتوں
نے حیران کیا تھا اُن کے دور کرنے کے لیے مستقل و مضبوط بناتی ہے ۔
وہ ازمنہ اور سرزمینیں کہ کسی طرح کا تعلق اتصال کا نہیں کہتے اور کبھی اُن میں تکلم
و ترسل نہیں ہوا ۔ تجارت کا باب اُنمیں وا نہیں ہوا ۔ وہ سب اس میں متفق علیہ ہیں کہ
گناہوں کا کفارہ اس خوف کے سبب دیا جائے کہ گناہوں کی سزا سے نجات ہو ۔ یقین
ہے کہ اس کفارہ دینے سے خدا راضی ہو جائے گا جو شخص اپنے گناہ کی سزا دُں کا اندازہ
کرتا ہے وہ کفارہ کی تکلیفوں کو ان کے مقابلہ میں ہیچ جانتا ہے ۔
(۴۴) انسان بالطبع اپنے تئیں اچھا جانتا ہے اپنی زشت افعالی کو چھپاتا ہے اپنی ہر ایک
خطاؤں کو چھوٹا بتاتا ہے اور ان کو [illegible] کرتا ہے اور ان چیزوں میں مصروف
رہتا ہے جو اوسکو خوش کرتی ہیں ۔ اپنی شہوت پرستی میں لوا تہ بناتا ہے گو اُسکی پیروی میں
ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائے ۔ [illegible] وہ توبہ کی طرف خیال نہیں کرتا اور رنج اور قلق اور

اور ندامت - یا اٹھانا پسند نہیں کرتا گو وہ توبہ کے اجزا نہیں مگر لازم ہیں

مصنفوں کی تحریر و تقریر میں فرق

مصنفوں کی تحریر اور تقریر میں اور اُن کے قول و فعل میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے۔ ملٹن نے
ایک اجنبی فاضل کو جو اوس سے ملاقات کے لئے آیا تھا یہ لکھا کہ میں بہت اپنے تئیں
مبارکباد دیتا ہوں کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ ملاقات میں وہی اپنی خصلت
دکھائی جو میری نظم اور جو میری تصنیفات نے مشہور کر رکھی ہے۔ اگر مصنفوں کی صفات
ستودہ اور خصائل محمودہ کا خیال جو تصنیفات سے پیدا ہوتا ہے وہ اُن کے حالات کے
دریافت کرنے سے ایسا جاتا رہتا ہے جیسا بلبلہ پانی کا چمک رہا ہو ہاتھ لگانے سے -
جیسے بعض مشرقی بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ عوام الناس سے گو باتیں نہیں کرتے لیکن اپنے
احکام سے رعایا کو اپنے حال سے آگاہی دیتے ہیں ایسے ہی مصنفوں کو بھی ان فرمانرواؤں
کا سا حال بنانا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص ان آدمیوں سے کچھ سیکھا نہیں چاہتا جن کو
وہ جانتا ہے کہ مجھ (?) جیسی حماقت اور ضعف اُن میں ہے مصنف کے گھر میں اگر کوئی شخص
دفعۃً گھس جائے تو اُس کا حال ایسا ہی پائے گا جیسا کہ محلوں میں داخل ہونے سے
بادشاہوں کا حال دیکھے گا کہ نہ وہ کوئی قانون پر مباحثہ کرتے ہیں نہ سپاہ کی صلاح
کرتے ہیں عورتوں کے ساتھ دل بہلا رہے ہیں اور اُن پر حکم چلا رہے ہیں۔ اس کی
بہت سی وجوہ ہیں کہ ایک شخص کی تحریر میں اقوال اُسکی زندگی کے افعال سے اچھے
ہوں۔ پاک خیالات میں داخل ہونے کے بغیر کوئی منصوبہ باندھنا تو آسان ہے مگر اُسکا
کرنا مشکل ہے جب ایک شخص زندگی بسر کرنے کی تدبیر بتاتا ہے تو نہ اوسکو کوئی امید
اکساتی ہے نہ کوئی خوف ڈراتا ہے نہ کوئی خواہش نفسانی محرک ہوتی ہے وہ اُن سب
باتوں سے الگ ہو کر اسطرح سکھاتا ہے جیسے کوئی زمین پر علم جہازرانی سکھاتا ہو جسکے
نزدیک سمندر خاموش ہے اور ہوا موافق چل رہی ہے علوم ریاضی کا ماہر خوب جانتا ہے۔

علوم بسیطہ میں محض نظریات ہوتے ہیں اور ان کے اعمال جب زندگی کے کاموں میں کیے جاتے
ہیں تو مادہ کے نقص کے سبب سے اور اتفاقات کے پیش آنے سے وہ نظریات عملیات
میں کچھ اور ہی نتیجے دکھاتے ہیں یہی حال علوم اخلاق کا ہے کہ ان میں خیالی نیکیاں
بنا لینی تو آسان ہیں مگر ان کے عمل میں لانے کے لیے بہت سے موانع پیش آتے ہیں جو
خیالات گھڑتا ہے فقط اوسکو تو غلط استدلال کا خوف ہے لیکن جو ان کو اپنی زندگی
کے کاموں میں عمل میں لاتا ہے اوس کے پیچھے بہت سے بکھیڑے لگے ہوئے ہوتے ہیں
اپنے نفس کے جذبات اور دوسروں کے نفس کی خواہشیں اور ایسے ہی سیکڑوں موانع دشوار
اوس کے دق کرنے والے پیش آتے ہیں جو اوس کو حیران کر کے چلنے نہیں دیتے مجبور
ہوتا ہے کہ بے سوچے اور امتحان کیے کام کرنے - دفعۃً ساری چیزوں کی حالتیں بدل جاتی
ہیں جن کے سبب سے ان کے ظاہری حال کے موافق اوس کو کام کرنا
پڑتا ہے - اور اوس کو اوروں کی مرضی کے موافق اس وجہ سے
چلنا پڑتا ہے کہ کیا تو وہ سست ہوتا ہے یا تھک جاتا ہے کبھی اوسکو یہ اندیشہ کرنا پڑتا ہے کہ
حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے بعض اوقات دشمنوں کو یا دوستوں کو دیکھتا ہے کہ اوس کو
دھوکے اور فریب دیتے ہیں +

پس اس لیے ہم کو تعجب کرنا نہیں چاہیے جب ہم یہ دیکھیں کہ ایک شخص خلوت و عافیت
میں آسائش و آرام میں ایسے دل سے جسمیں کوئی جانب داری نہیں ہے اور ایسی آزادی سے
جسکے لیے کوئی قید نہیں ہے جو احکام و نصایح لکھی وہ خود جب بکھیڑوں اور جھمیلوں میں
پھنسے تو اوس کا پابند نہ ہو - بالفعل یہ آدمی کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ اوس سے زیادہ توقع
کرنا کہ جو اسکو حاصل نہ ہو سکتا ہے خواہ ہم کیسی ہی جان مار کے کوشش و سعی کریں ایک دن
بھی خالص بے گناہی کے ساتھ نہیں کاٹ سکتے جسمانی قفس میں ایسا دل بند ہوا ہے
کہ خیالی نیکیوں تک اوسکی رسائی نہیں ہو سکتی - یہ امر نہایت انصاف کے برخلاف ہے

میں مستحق اس کا ہو گیا ہوں کہ ادنے درجے کے آدمیوں سے بھی زیادہ اس نیکی کے کرنے میں
غفلت کروں علوم طبعیہ کی تحقیقات میں ایک چیز کی حد غایت لکھی جاتی ہے ایسے ہی علم
اخلاق میں ہم ایک نیکی کی قطعی خوبی کو اپنے آگے رکھتے ہیں اور اوس کی بلندی کی جو
حد غایت ہے وہ لکھتے ہیں اور اُس پر چڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر کبھی اُس کی چوٹی تک پہنچتے
نہیں بعض آدمی اسی لئے اپنے تقدس کو جو مذہب کی پابندی سے ہوتا ہے مخفی رکھتے
ہیں تاکہ مذہب کے خلاف کام کرنے سے کوئی بڑی شرمندگی نہ اوٹھانی پڑے جس سے
مذہب کی اہانت ہو۔ پس اسی طرح مصنف کو چاہئے کہ وہ اپنی تصنیفات کے اقوال کو
اپنے افعال سے جب تک ثابت نہ کر سکے تو اپنا نام نہ لکھے اور یوں اپنے تئیں مخفی رکھے
بعض مصنفوں کا مطلب بُرائی کی اہانت سے ہوتا ہے نہ نیکی کی عظمت سے بلکہ فقط اپنی
لیاقت اور استعداد کی ترقی اور اپنی ذہانت و ذکاوت اور قوت بیان و قدرت زبان
کا دکھانا منظور ہوتا ہے اُن کو کچھ اپنی رائے اور فیصلہ کی صداقت کا اظہار منظور نہیں ہوتا
ایسی تصنیفات تعریف کے قابل ہوتی ہیں مگر مصنفوں کی صحبت نفرت کے قابل۔

اکثر آدمی اس عمر میں علم حاصل کرتے ہیں جس میں اخلاق و اوضاع و اطوار خوب درست
مہذب کر سکتے ہیں مگر جب اون کو علم اتنا حاصل ہو جاتا ہے کہ لوگ اون کی تعظیم و تکریم کرنے
لگتے ہیں تو وہ ان خفیف کاموں کو چھوڑ دیتے ہیں جن سے وہ خوش ہوتے تھے پھر جب وہ
جوان ہوتے ہیں اگر اُن کا مزاج نرم ہوتا ہے تو اپنے عیبوں اور نقصوں کو دیکھ کر شرماتے
ہیں اور اگر مزاج میں اولوالعزمی ہوتی ہے تو اپنی لیاقت پر بھولتے ہیں اور اوروں سے مباحثہ
پر سرگرم ہوتے ہیں اور اپنی فتحیابی کے لئے جلدی کرتے ہیں اکثر ایسے آدمیوں کی تقریر
سنجھ جاتی ہے۔ اور خوبیاں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں مگر تصنیفات کے لئے جو خوبیاں
درکار ہیں اُن میں وہ کامیاب نہیں ہوتے اور بعض آدمی اپنے مطالعہ کو تصنیفات کے لئے
جاری رکھتے ہیں اور وہ خوبیاں پیدا کرتے ہیں جو تصنیف میں ہونی چاہئے ایسے مصنفوں سے

باتیں کرنی اور تصنیفات کا پڑھنا۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بڑے شہر کو دور سے دیکھ کر ہم اوس کے
اندر داخل ہوں۔ دور سے اوس کی بڑی بڑی عالی شان عمارات و مکانات
اور رفیع برج و مینار دکھائی دیتے تھے مگر جب اوس کے اندر دروازہ سے داخل ہوئے تو
تنگ گلیاں و بازار چھوٹے چھوٹے موریاں اور بہت طرح کی ایسی چیزیں پیش ہوتی ہیں کہ جنسے
دل مکدر ہوتا ہے۔ بس ایسے ہی جو اخلاق کی خوبیاں اُن کی تصنیفات سے معلوم ہوئی تھیں
وہ اُن کی باتوں سے ملاقات میں نہیں معلوم ہوتیں۔

جسمانی و روحانی خوشی

ایک فرقہ حکما کا [illegible] بڑی شد و مد سے یہ حکم کرتا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنی خوشی
و مسرت کو خارجی چیزوں کے اثر سے مصیبت نہ بنائے۔ یہ حکم اون کا خواہ کسی رتبے کا
ہو مگر اوس پر عمل کرنا انسان کی شرط زندگی کے خلاف ہے۔ دانشمند آدمی سے ممکن نہیں
کہ وہ اپنے جسمانی رنج و راحت کو بالکل اپنے سے دور کر دے۔ اسی وجہ سے دوسرا فرقہ
حکما اس حکم کو بے دلیل و نامعقول بتاتا ہے ہر لحظہ و لمحہ و ساعت کا تجربہ اوسکو غلط ثابت
کرتا ہے۔ اور قوا نیچریہ اوسکے بالکل برخلاف شہادت دیتے ہیں۔ اب ہم کو تحقیق کرنا
ہے کہ یہ حکم جو اعلیٰ درجہ کا ہے اوس کی تعمیل کرنے کی قدرت ہم میں کہاں تک ہے
اور کس حد تک ہم خارجی چیزوں سے ایسا اجتناب کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دل پر اثر
نہ کریں اور ہماری عافیت میں خلل نہ ڈالیں گو بالکل اوس سے آزادی کی شیخی مارنی
ہنسی کے قابل ہے مگر جسمانی آرام کا مغلوب ہو جانا اور جس طرف وہ موڑیں مڑ جانا دل
بعید ہے خواہ وہ کیسا ہی ضعیف اور محروم ہو۔

ماضی و استقبال کے خیالات

اس عالم میں یہ بڑے بڑے ماضی کرے بہتے ہوئے جو ہم دیکھتے ہیں اُن میں سے
سخت سے سخت کرہ میں اتنے مسامات ہیں کہ اگر اون کو دبا کر کامل سخت جسم بنایا جائے تو

وہ چند مکعب فیٹ میں سما جاتی ہیں اسی طرح اگر زندگی کے تمام کام جمع کئے جائیں تو وہ چند
ہفتے یا دن یا گھنٹے ہونگے جن میں دل اُن کے کرنے میں مصروف رہا ہوگا۔ ہمارے جسمانی
روحانی کاموں میں ایسی نامساوات ہے جو ہم دل میں لمحوں میں سوچتے ہیں وہ برسوں میں پورا
کرتے ہیں۔ اور روح ہماری بے کار رہ کر ہمارے ہاتھوں اور پاؤں کی محنت کو دیکھتی ہے
ہمارے سب کاموں کی اصل ہمارے نفس میں ہوتی ہے اسلئے اپنے خیالات کو خراب کرنا
گویا سر چشمۂ اخلاق کو زہریلا بناتا ہے اسلئے بعض اہل اخلاق نے لکھا ہے کہ جیسا بُرا کام
کرنا گناہ ہے ایسا ہی بُرا خیال کرنا گناہ ہے۔ نکوکاری کی بڑی حفاظت یہی ہے کہ آدمی
ہمیشہ اپنے خیالات کی بڑی حفاظت کرتا رہے۔ جب خیالات میں بُرائی آنی شروع ہو تو
اوسی وقت سے دور کرتے رہے ہو گذشتہ کی یاد آیندہ کے لئے بکارآمد ہوتی ہے
فیثاغورث کا قول ہے کہ [illegible] گذشتہ کے سب کاموں [illegible]
کام سے لیکر اس طرح خیال کرے کہ [illegible] باتیں
مجھے کرنی چاہیے تھیں وہ نہیں کیں اور پھر اپنے اچھے کاموں سے خوش اور بُرے کاموں سے رنجیدہ ہو
نیک آدمیوں کے دلوں میں بھی بُرے خیالات آتے ہیں۔ مگر وہ یونہیں چلے جاتے ہیں یا
کوئی دھبا اور داغ دل پر نہیں لگا جاتے ہیں۔ ماضی اور حال کے خیالات میں وہ دشواریاں
نہیں جو آیندہ کے خیالات میں پیش آتی ہیں کیونکہ خوف و رجا آیندہ کے خیالات پر موقوف ہوتے ہیں اسکی
کوئی حد نہیں مقرر ہوتی۔ انمیں بے شمار واقعات کا خیال کر سکتے ہیں اور وہ اپنی پسند پر موقوف
ہیں۔ ہر چیز کے حاصل ہونے کا خیال کر لینا بہ نسبت حاصل کرنیکے بہت آسان ہے جو آدمی اپنے
کاموں کو نیکی کا پابند کرنا چاہتے ہیں اُنکو چاہیئے کہ ہمیشہ خیالات وہ کیا کریں جو عقل کے موافق ہوں
اور خوب سمجھ لیں کہ دل میں خباثت کے خیالات کا بسانا بُرے کام کرائے بغیر نہیں رہیگا +

علمی اور ملکی کاموں میں ایک سے خطرات ہیں

ہر شخص کو اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے اسلئے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بعض صفات اُسمیں

ایسی ہیں کہ وہ اور بنی آدم سے نوع میں یا درجہ عزت میں اچھی ہیں۔ اپنے ظاہری عیبوں کے
چھپانے کو اپنی مخفی خوبیوں کے پلڑے سے ہلکا خیال کرتا ہے۔ جو علم دوست آدمیوں کا فرقہ ہے
وہ اپنے تئیں خوش حال ان مدبران ملکی سے جانتا ہے جو ہمیشہ معاملات ملکی کی افکار
میں مبتلا رہتے ہیں اور اوسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کے عہدے بڑی محنتوں
مشقتوں اور جوکھوں کے اٹھانے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور پھر ان میں استقلال
نہیں ہوتا۔ اور اپنی اس بات پر پھولتے ہیں کہ ہمارے پاس وہ ہتیار ہیں کہ جو کبھی کند
نہیں ہوتے اور کسی حکمت اور دشمن کی قوت سے وہ چھن نہیں سکتے۔ ہندوستان
میں ہاتھیوں کو لڑنا سکہاتے تھے جو میدان جنگ میں دشمنوں کو پامال کرتے تھے لیکن اگر
دشمن ان کے اول حملہ کی برداشت کر جاتا تو پھر ان کو آسانی سے ایسا بھگا دیتا کہ اپنے
ہی لشکر کو وہ روند ڈالتے تھے۔ پس ان ہاتھیوں کا سا حال اوپر کی دلیل کا ہے
کہ جیسی وہ مدبران ملکی پر حملہ آور ہوتی ہے ایسی اہل علم پر۔ علم کا حاصل ہونا اور اس سے
نامور اور مشہور ہونا ایسا ہی نامحقق ہے جیسا کہ میدان جنگ میں فتحیاب ہونا یا ملک کی
فرمانروائی میں سرافراز ہونا اور تدابیر ملکی میں کامیاب ہونا۔ علم میں بزرگی حاصل ہونے
کے واسطے وہی محنت و مشقت چاہیئے جو اور معاملات ملکی میں ہر قسم کی بزرگی اوسکی
تحصیل کی دشواری اور محنت کے متناسب ہوتی ہے۔ علم و ذہانت کے عالم میں جن
لوگوں کی عزت اور بزرگی پائی جاتی ہے۔ ان کی آرزوئیں وہی ہوتی ہیں جو اور قسم
کے جلیل القدر آدمیوں کی ہوتی ہیں کہ اپنے حریفوں اور رقیبوں کو زیر کرنا۔ اور انکی
بزرگی کو اپنی بزرگی کے مقابل میں کمتر کر دینا کسی کو اپنی برابر نہ ہونے دینا۔ پھر اپنی
ان آرزوؤں کے پورا کرنے کے واسطے ذلیل اور رذیل وسائل اور حکمتوں کو کام
میں لانا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمی علم میں برتری بغیر اوسکے کہ وہ زیادہ دانا یا نیک
ان لوگوں سے ہو جنکی جہالت کی وہ حقارت کرتا ہے کہاں تک حاصل کر سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم کی خوشی کی عمارت جس بنیاد پر قائم ہوتی ہے اس کا بھی استحکام
ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ان کے مخالف مدبران ملکی کا علم کے میدان کے جو غازی ہیں انکو
وہی آفتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں جو میدان جنگ کے مدبران ملکی کو۔ اور ان دونوں
یکساں حسد ہوتا ہے اور اُن کو اپنی حفاظت ان ہاتھوں سے یکساں کرنی پڑتی ہیں جو
اُن کے برباد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ہاں اہل علم کو یہ امید زیادہ ہوتی ہے کہ
اُن کی ناموری کی بقا عرصہ دراز تک رہے گی اور حادثات کے ہاتھ سے بچی رہے گی
یہ امید بھی اُن کی بیجا ہے۔ اسلئے تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے زمانہ میں بہت سے
بڑے بڑے مصنف اور اہل علم گذرے ہیں کہ نہ جنکی تصنیف کا پتا ہے نہ نام کا فقط یہ
معلوم ہے کہ کبھی اونکا وجود تھا۔ اگر علم کی شہرت پر خیال کریں تو وہ ایک امر ناتحقیق ہے
تصنیفات کی شہرت بھی عجب عجب طرح سے ہو جاتی ہے۔ کبھی عوام کی جہالت سے
کبھی امرا کی عنایت سے کبھی اوسکی جدید ہونے سے۔ ایسے ہی یہ شہرت کے مٹ جانے کی
صورتیں ہوتی ہیں۔ مختلف مصنفوں کی تصنیفات کی شہرت کی نسبت فقط یہ امر نہیں ہے بلکہ
ایک ہی مصنف کی تصنیفات کا حال یہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب اوسکی بہت جگہ مشہور ہو جاتی
ہے۔ دوسری کتاب کو اوسکی پوچھتا نہیں [illegible]
ہیں جنسے اُن کی شہرت مٹ جاتی ہے [illegible]
بدنصیبی و کم بختی۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ مصنفوں کو علمی اور [illegible] کتابیں ایسے آدمیوں کی
فرمائش و ہدایت کے موافق لکھنی پڑتی ہیں کہ جو اُن کو انعام و اکرام دیتے ہیں۔ مصنف
اپنی پسند سے کوئی مضمون اس کتاب کے لئے نہیں تجویز کرتا ہے بلکہ مجبوری اپنے
ولی نعمت کی مرضی کے موافق مضمون پسند کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح آسانی ملحوظ خاطر
نہیں رکھتا اور نہ اس مضمون کا علم پہلے سے ہوتا ہے نہ مطالعہ جو اوس کے لئے ضروری ہے
وہ رکھتا ہے نہ اتنی مہلت اور فرصت اوسکو ملتی ہے جو اوسکی تحریر کے لئے چاہئے ہے +

ذی اور عالم ہونے کا بڑا نتیجہ یہ بھی سمجھا جاتا ہے اُس سے امرا اور سلاطین کے ساتھ
تقرب کی تقریب ہو جائے۔ جب کسی عالم کو اوسپر فخر ہو کہ وہ ایسے امراء سے اتحاد رکھتا
ہے جن کو اپنی نسب پر یا دولت پر یا اپنی بلند مرتبگی پر گھمنڈ ہے تو وہ ضرور اوس کی مرضی کا
تابع اپنی مطالعہ علمی میں ہوگا۔ اور اپنے علم کو اپنی مطلب برآری اور ان کے دل بہلانے
میں صرف کریگا۔ وہ جن کو خوش کرکے اپنے اوپر مہربان کرنا چاہتا ہے اور جنکی عنایت کو وہ
اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ وہ کسی کتاب کی فرمائش کرینگے۔ اوسکو تصنیف کرنے ہو بیٹھے
اور کچھہ اپنی لیاقت پر خیال نہ کریگا کہ اس کتاب کی تصنیف کی ہے یا نہیں +
بعض دفعہ مصنفوں کو کوئی امید کے پھیلانے کی پروا نہیں ہوتی بلکہ خود اُن کے
دماغ میں یہ خبط سما جاتا ہے کہ ہم ہر قسم کی انشاپردازی کے قابل ہیں اور جمہور مختلف اقوال
کے موافق رنگارنگ کے مضامین لکھہ سکتے ہیں اکثر یہ خبط پیرانہ سالی میں زیادہ ہوتا ہے
کہ جب ان مضامین کے پورا کرنے کے لئے فرصت نہیں ملتی چند ہفتہ کے بعد خود
اُن کو موت آجاتی اور نئی نسل کو اُن کے قائم مقام بننے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے
ہم اپنی تصنیفات کے دیکھنے میں اپنے بہت سے تعصبات کے سبب سے اندھے ہو جاتے ہیں
مصنف اپنی جوانی کی تحریرات کو دیکھہ اسلئے خوش ہوتے ہیں کہ وہ اونکی نوجوانی کی لیاقت
یاد دلاتی ہے۔ بڑی عمر کی تصنیفات کی قدر اسلئے کرتے ہیں کہ اس خیال کو ناجائز جانتے
ہیں کہ اونہوں نے ترقی نہیں کی۔ جو کچھہ اُن کی قلم سے بآسانی و بے ساختہ نکلتا ہے اوسکو
وہ سمجھتے ہیں کہ سحر کا سا اثر کرتا ہے۔ اور اُس کو بڑی خوشی سے اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ
وہ اُن کی رائے اور استعداد اور قابلیت کی خوشامد کرتا ہے۔ اور جو کچھہ محنت و مشقت
اور خون جگر کھا کر لکھتے ہیں اُس کو وہ مردود نہیں بناتے تا کہ اُن کی محنت شاقہ اکارت
نہ جائے۔ لیکن پڑھنے والوں کے دل میں پہلے سے یہ خیالات نہیں ہوتے اسلئے انکو
تعجب ہوتا ہے کہ مصنف کی تصنیفات کیوں اُن سے غیر مشابہ ہے۔ مگر وہ یہ نہیں

خیال کرتے کہ ایک ہی زمین میں مختلف طرح کے تردد کرنے سے مختلف طرح کا پیداوار ہوتا ہے
(۲) جب کوئی عالی جاہ بادشاہ مرتا ہے تو اُس کے قائم مقام پر بار سلطنت اُٹھانا
اتنا ہی دشوار ہوتا ہے جتنا پہلا بادشاہ اچھا ہوتا ہے بڑی مصیبت اوس کو یہ پیش
آتی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش سے کوئی کام کرے وہ پہلے بادشاہوں کے
کاموں کے آگے کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ اس طرح جب مصنف کسی بڑے مصنف کا
جانشین ہوتا ہے تو اُس کو دقتیں پیش آتی ہیں کہ خواہ یہ کتنی ہی اپنی جان ماریں مگر وہ پہلے
مصنف کے آگے چمکتے نہیں۔ باغ کے تمام پھل پھول وہ پہلا ہی مصنف توڑ کر لے گیا
ہے فقط درختوں کا سایہ اُن کے لیے چھوڑ گیا ہے جسکے اندر کوئی پڑا پڑایا سڑا ایسا
پھل اُس کو ہاتھ لگ جاتا ہے۔

جبن و تہور اور فضائل کی افراط تفریط

بعض غلطیاں اور خطائیں ایسی ہوتی ہیں کہ کرنے والوں کے حق میں زہر ہوتی ہیں مگر
انسانوں نے علی العموم ان کو مان رکھا ہے کہ کچھ قدر اُن کی کی جائے۔ اور اُن کرنے والوں
کی بدنامی نہ کیجائے اُس کی ایک مثال تہور اور جبن ہے جو شجاعت سے جو اُن کے عین وسط
میں ہے۔ برابر فاصلہ رکھتے ہیں نقصان دونوں سے یکساں عائد ہوتا ہے۔ مگر اُن میں سے تہور کا بیان
ایک قسم کی تعظیم و ادب کے ساتھ ہوتا ہے اور جبن کا ذکر نفرت و حقارت اور مذمت کے ساتھ۔
یہی حال اسراف اور طمع کا اور اور متقابل رذائل کا ہے کہ ایک برائی کا بیان ادب کے ساتھ
کیا جاتا ہے اور دوسرے کا نفرت کے ساتھ۔ تفریط کی حقارت اور افراط کی عزت کی جاتی ہے۔ اس
افراط کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں اوسط داخل ہوتا ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ ہر فضول
چیز کا دور کرنا نقصان کے پورا کرنے سے بہت آسان ہے۔ پس جو نیکی متوسط سے گذر گئی ہے اُس سے
امید ہو سکتی ہے کہ وہ پھر اُس پر عود کرے لیکن جو اس حد تک پہنچی نہیں اُسکی کامیابی کی
امید مشکل ہے۔ ایک صورت میں جو کمال چاہیے موجود ہے۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ دوسری صورت میں

کمال تک پہنچنے میں نقص ہی ہے۔ جو گھوڑا ایسا تیز رو ہو کہ وہ اپنے ساتھ کے گھوڑوں سے آگے
بڑھ جائے اس سے امید ہو سکتی ہے کہ وہ ٹھہر کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلنے لگے۔ مگر جو گھوڑا ایسا ہو کہ
چل ہی نہیں سکتا اور پیچھے رہ گیا ہو وہ تیز دوڑ کر اپنے ساتھیوں سے کہیں مل سکتا۔ ایک بڑا
درخت کلہاڑی سے چھانٹنے سے جھاڑی کی برابر بن سکتا ہے مگر جھاڑی اس درخت کی
برابر نہیں ہو سکتی۔

گھر میں خوشی و رنج زیادہ تر آدمی کو ہوتے ہیں

اہل کیمیا کا یہ قول سچا ہے کہ چند عناصر کی ترکیب پانے سے دنیا کے ساری چیزیں بنی ہیں
ان میں سے جس چیز کو چاہو عناصر میں تحلیل کر لو۔ پس اسی طرح انسان کی زندگی چند رنجوں
اور چند خوشیوں سے مرکب ہے۔ اور ان میں سے ایک حصہ تو مشیت ایزدی سے ہمارے لئے مقرر ہے
اور باقی حصہ انسان کی خود پسندی اور عقل مقرر کرتی ہے۔ آدمیوں میں جو خوش مزاج
ہیں وہ خوش حال ہیں اور جو بدمزاج ہیں وہ بدحال ہیں۔ بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوتے
ہیں کہ جن کا رشتہ حیات مہمات عظیم سے اور میدان جنگ کی کارہائے نمایاں اور سپاہیوں
کی سپہ سالاری سے اور قوموں کی سرداری سے متعلق ہو۔ ایسے بزرگوں کا بھی بڑا
حصہ زندگی کا اپنے گھر کے کاموں سے متعلق ہوتا ہے۔ ان کو خوشی و رنج کے معاملات زیادہ تر
گھر ہی میں پیش آتے ہیں۔ جمہور انام کے کاموں کے لئے وہ اپنے گھر ہی کے کاموں کے لئے
نکل کر آتے ہیں۔ پلی نی کا یہ قول سچ ہے کہ جن کاموں کی طرف ہماری توجہ ہوتی ہے
ان میں جو زیادہ شان و شکوہ کے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بڑے نہیں ہوتے۔ خارجی اور اتفاقی
حالات سے جو ناموری اور شہرت ہوتی ہے جس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے وہ نیکی اور سچائی
سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ عالی مرتبگی اور خوش نصیبی۔ کاموں کی تاثیرات عظیم یہ سب مل کر اخلاق
کی نگاہ میں بزرگی پیدا کرتی ہیں۔ مگر استقلال و ثبات حلم و صبر بغیر اپنے تئیں دکھلانے کے
زندگی کے ہجوم کار میں گندھ جاتے ہیں۔ اور بڑی قوت اور استقلال سے مصیبت اٹھاتے

اور کام کرتے ہیں مگر نہ ان پر کوئی رحم کرتا ہے نہ اُن کی کوئی تعریف کرتا ہے۔ غرض یہ حال سب کا
ہے پھر ان لوگوں کا نہیں جنکے کاموں کو سب دیکھتے اور سنتے ہیں ہزاروں آلام انسان کے
دلوں پر چپ چاپ حملے کرتے ہیں اور وہ بے شمار صدمے پہنچاتے ہیں کہ وہ مُنہ سے
اُف نہیں کرتے۔ علی ہٰذا القیاس ہماری خوشیاں ہیں جو چپ چاپ ہمارے دلوں کو خوش
کرتی ہیں دل میں بہت سی آرزوئیں آتی ہیں جنکا اظہار کبھی نہیں ہوتا اور اُن سے ہمارے
اوقات تنہائی میں خوشی سے بسر ہو جاتی ہیں +

غرض انسان کی خوشیاں اور رنج ان باتوں میں ہوتی ہیں۔ بہت چھوٹے چھوٹے کاموں
اور واقعات میں اور ایسی آرزوؤں میں جو دیرپا نہیں ہوتیں ایسی مایوسیوں میں جو قابل
نہیں ہوتیں۔ ایسے چھوٹے جانوروں کے کاٹنے میں جو ڈنک مارتے ہیں اور ایسی گستاخیوں
میں جو اُن کے گرد تھوڑی دیر بھن بھناتی ہیں اور پھر سننے میں نہیں آتیں۔ ایسی خوشیوں
میں جو شہاب ثاقب کی طرح جلوہ دکھا کے غائب ہو جاتی ہیں اور ایسی شکر گذاری میں جو صبح
راگ کی طرح ادھر آئی ہوا اُدھر اُڑ گیا اور نوشاکر و مشکور شکر کو بھول گئے۔ غرض انسان کی بڑی
دانائی یہ ہے کہ آدمی اُن گھنٹوں میں خوش رہے کہ جنمیں شوکت و عظمت کا طمع نہیں کر سکتا
جن کو شان و نمود کا زیور نہیں پہنا سکتا اور کسی اور بڑائی کا بہروپ اُن کا بنا سکتا ہے۔ گھر میں خوش
رہنا انسان کے تمام کاموں کا مآل ہوتا ہے وہ ایسے چین اور آرام کے لئے محنتیں اور
مشقتیں اُٹھاتا ہے اور مہمات عظیم کو اختیار کرتا ہے +

گھر ہی کے آدمی انسان کی نیکی اور راحت کا ٹھیک تخمینہ کر سکتے ہیں یہاں اُس کو اپنی
نمود منظور نہیں ہوتی جو وہ جھوٹی فیاضی اور ملمع کی عزت دکھائے۔ سوا اپنے گھر کے
اوروں کے گھروں میں سلسلہ وار مکر و ریا اور بڑے کاموں کو اچھے پیرایہ میں ظاہر کرنا
پڑتا ہے۔ گھر ہی میں آدمی اپنا چال چلن جیسا ہے ویسا دکھاتا ہے کچھ روک ٹوک اسکے
لئے نہیں ہوتی۔ جو اُس کے دل میں آتا ہے وہ کرتا ہے۔ اسلئے اُس کے خصائل کے شاہد صادق

اہل خانہ ہی ہوسکتی ہیں جو شخص اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہے وہ حقیقت میں اچھا ہے
کوئی ریاکاری اور مکاری اس میں نہیں ہے۔

جس آدمی کی تعریف اوس کے نوکر کریں وہ نیک ہوگا۔ اسلئے کہ نوکر اپنے آقا کے تمام
کاموں و اسرار سے واقف ہوتے ہیں وہ اُن سے اپنی برائی بھلائی کا پردہ اُن سے
نہیں کرسکتا۔

غلامی

یہ سارا مضمون مغربی خیالات کے موافق لکھا گیا ہے۔

غلامی کا مضمون بہت پیرایوں میں بیان ہوسکتا ہے ایک پیرایہ اسکا تاریخی ہے جس میں یہ
بیان کیا جائے کہ غلامی کی ابتدا کیونکر ہوئی دنیا میں ساری قوموں کے دلوں میں اس کی
جڑیں کیونکر لگیں اُن کی شاخیں کیا کیا پھوٹیں اُن میں برگ و بار کیسے لگے کیسی اُنپر
بہار و خزاں آئی ترقی تنزل ہوا۔ کیا کیا غلامی کی بوقلمونی نے اپنے رنگ دکھائے
کیا کیا قوانین آئین دستور مقرر ہوئے۔ کیا کیا اُنپر ترمیمیں و اصلاحیں ہوئیں بالفعل
جو اس پر نزع کی حالت طاری ہورہی ہے وہ کیونکر ہوئی۔ دوسرا پیرایہ پولیٹکل
اکونومی کا (سیاست مدن) کا ہے جو بڑا عظیم الشان ہے اس میں یہ بتلایا جائے کہ
غلامی نے قومی معاملات پر کیا اثر کیا اور اسکا اثر بہبودی اقوام پر کیا پڑا تیسرا یہ کہ
غلامی نے کیا کیا ظلم و ستم انسان سے انسان پر کرائے۔ چوتھا غلامی ایک نکمی اور بری
شے ہے اُس سے انسان کا کام کوئی بھلا نہیں ہوتا۔ پانچواں یہ کہ غلامی کے باب میں احکام
مذہبی کیا ہیں چھٹا یہ کہ کسی قوم کے ساتھ یہ امر مخصوص نہیں ہوسکتا کہ وہ غلام ہی بنا دی
جائے سب قومیں غلامی کے لحاظ سے ایک حکم رکھتی ہیں۔ ساتواں دنیا سے غلامی
ایسی مٹنی چاہئے کہ اُس کا نام باقی نہ رہے۔ اگر ان سب باتوں کا مفصل حال بیان
کیا کروں تو معلوم نہیں کہ مجھے غلاموں کی طرح بیکار ہیں کتنی مدت تک مشقت شاقہ
اٹھانی پڑے اسلئے جہانتک ممکن ہے میں انکا مختصر بیان کرونگا۔

(۲) خردمندی بزرگی کو آدمی مانتا ہی اور اُس کے سبب اپنے تئیں اشرف المخلوقات سمجھتا ہی
دلائل سے وہ قائل ہوتا ہے جیسا آفتاب کا اثر ہر شخص پر ہوتا ہے خواہ وہ اندھا
ہی کیوں نہ ہو۔ ایسی ہی سچی دلائل عقلی کا اثر اُس پر ہوتا ہی خواہ وہ کیسا ہی ہیے کا
پھوٹا ہو۔ دنیا کے سارے معاملات میں سوال یہ ہوتا ہی کہ وہ سچی دلائل عقلیہ کونسی ہیں
بس وہ بیان کردینی چاہئیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ابطال غلامی کی سچی دلائل بیان ہوں وہ
انسان پر موثر نہ ہوں۔ گو دلائل باطلہ اُن کی روشنی کو بجھا دینگی اور اُن کی تیزی کو
کند کردینگی مگر اُن میں عقل کا وہ زور ہی کہ جب اُس کا ظہور ہوگا تو اُس کے آگے نہ
انسان کی خودغرضی نہ نخوت نہ جذبات ٹھہرینگے۔ بس بڑا کام ہمارا یہ ہے کہ اون
دلائل کو بیان کردیں جس سے غلامی کا ابطال ہوجائے جس سے یہ کام روحانی طور پر
تو ختم ہوجائیگا گو اُس کی عملی طور پر سرانجام دینے میں سر اور ہاتھ اور زبان اور
قلم کو بہت سے کام کرنے باقی رہینگے۔ خلائق کی خیرخواہی اور عدالت اصطلاحی
ایک قدم آگے نہیں چل سکتی جب تک عقل دوربین کا عصا اُن کے ہاتھ میں نہ ہو۔
اسلئے وہ دونو جہان عقل کی رہ نمائی پر نہ چلینگے تو مغالطہ میں پڑینگے۔

(۳) غلام وہ شخص ہی جو دوسرے شخص کی ملک ہو یعنے دوسرے شخص کے بس میں جسکو
یہ استحقاق حاصل ہو کہ وہ جس طرح سے چاہے اُس کے ساتھ پیش آئے اور جس کام پر
چاہے اُسے لگائے۔ غلام کے حقیقی معنی تو یہ ہیں مگر اس معنی میں بہت سی ترمیمیں ہوئی ہیں

غلامی کا تاریخی بیان

غلامی کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے کہ کوئی قوم نہیں جسکی پرانے زمانہ کی تاریخ
کچھ موجود ہو اور اُس میں غلامی کا ذکر نہ ہو۔ غلامی عجب بہروپنی ہی ہر قوم میں نیا ہی
بہروپ بھرتی ہے۔ ایک قوم کی غلامی کے رنگ ڈھنگ دوسری قوم سے نہیں ملتے۔
یہودیوں کے ہاں جو غلامی کا طور تہا وہ یونانیوں کے ہاں نہ تھا جو یونانیوں کا ہاں اس کا طریقہ تھا

وہ رد میوز ۔ ہاں نہ تہا ۔ مشرق میں اس کا کچھ اور رنگ تھا مغرب میں کچھ اور ڈہنگ تہا جب نئی دنیا (امریکہ) دریافت ہوئی تو اُس نے پرانی دُنیا سے اس نئی دنیا میں اپنا نرالا ہی ایک اور رنگ دکھایا جو پہلے کبھی نہ دکھایا تھا +

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کا آغاز غالبًا اس طرح ہوا کہ جب لڑائی میں دشمن گرفتار ہوئے تو وحشی قوموں نے اُن کے مارنے میں اپنا فائدہ اتنا نہ جانا جتنا اُن کو غلام بناکر رکھنے میں یہودیوں کو قانونًا اپنی قوم کے اور غیر قوموں کے غلام بنانے کی اجازت تھی ۔ ان کی اپنی قوم کے غلام اکثر وہ ہوتے تھے جنکا دوالہ قرضہ کے سبب سے نکل جاتا تہا یا وہ افلاس کے سبب سے اپنے تئیں کسی شخص کے ہاتھ بیچ ڈالتا تہا یا چور جو چوری کا تاوان اور جرمانہ دیکر اپنے تئیں نہ چھڑا سکتا تھا تو وہ غلام بنایا جاتا تھا ۔ شرعًا یہودیوں پر لازم تھا کہ وہ اپنے ہم قوم غلاموں کے ساتھ بہ نسبت غیر قوموں کے غلاموں کے نرمی کے ساتھ پیش آئیں ۔ وہ اپنے تئیں غلامی سے آزاد کرا سکتے تھے اور اگر آزاد نہ کرائیں تو ابتداءِ غلامی سے ساتویں سال وہ خود آزاد ہو جاتے تھے ۔ سوا اس کے پچاسویں سال تمام عام طور سے غلام آزاد ہو جاتے تھے ۔

یونانیوں کے ہاں بھی غلامی کی رسم قدیم چلی آتی ہے ۔ ہومر کی نظم میں اسکا بیان ہے اکثر غلام وہی ہوتے تھے جو میدان جنگ میں اسیر ہوتے تھے اور دوسرے وہ لوگ بھی جو دغا فریب دُزدی سے پکڑ لیتے تھے ۔ یونان میں کوئی حکیم بھی ایسا نہ ہوا کہ وہ اصول اخلاق کے اعتبار سے غلامی پر معترض ہوتا ۔ ارسطو غلامی کو عین عدالت جانتا تھا کہ انسان مختلف نسل کے ہیں اُن میں تقسیم غلام اور آزاد کی خدا کی طرف سے ہے ۔ افلاطون نے یہ کہا کہ صرف یونانی غلام نہ بنانے چاہئیں ۔ یونان میں ایک قسم کے غلام وہ تھے جو وہاں کے قدیم باشندوں کی اولاد تھے اور محکوم اور مغلوب ہو گئے تھے ۔ وہ کھیتی کرتے تھے ۔ اُنکے آقا زمین اُن کے واسطے مقرر کر دیتے تھے وہ اُس کا لگان دیتے تھے ۔ اور اپنے آقاؤں

ساتھ لڑائیوں میں جاتے تھے۔ ان کے ساتھ بہت نرمی برتی جاتی تھی۔ اُن کا حال ایسا تھا
کہ جیسا زمانہ متوسط میں یعنی ۹۶۰ء سے ۱۴۹۲ء تک میں سرف کا حال تھا۔ یورپ میں سرف
ایک قسم کے غلام تھے جو اکثر ملکوں کے اصلی باشندوں کی اولاد تھے جنکو اور قوموں نے فتح
کرلیا تھا۔ بعض ان میں سے ایسے بھی ہوتے کہ قحط کے سبب سے جنہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا تھا
یا کلیساؤں کو خود لوگوں نے اپنے تئیں حوالہ کردیا تھا۔ اُن کی حالت مختلف ملکوں میں
مختلف زمانوں میں مختلف طرح کی رہی۔ مگر اُن کے ساتھ ملائمت بہ نسبت غلاموں کے
رومیوں کے قانون کے موافق کی جاتی تھی۔ خاصکر جو زمین کی کاشت میں لگائے جاتے تھے
جب یہ سرف اصلی باشندوں کی اولاد ہوتے تھے اُن کو نیٹو کہتے تھے۔ اسلئے بعض انگریزی
تعلیم یافتہ نیٹو کہلانے سے چڑتے ہیں۔ سرف کو بعض استحقاق حاصل تھے۔ اگر کوئی آقا کسی
سرف کو جان سے مار ڈالتا تو خونبہا بادشاہ کو دینا پڑتا۔ یا ایسا مارتا کہ آنکھ پھوٹ جاتی یا
کوئی دانت ٹوٹ جاتا تو اُسے آزاد ہونے کا مستحق ہو جاتا۔ وہ دوسرے ملک میں بیچے نہیں جاتے
اور نہ اپنے اہل و عیال سے جدا کئے جاتے بلکہ کسی قدر مال و جائداد بھی رکھنے کے مجاز تھے
گھر کے کام کاج کے واسطے جو غلام خریدے جاتے تھے اُن پر آقاؤں کا سب طرح کا اختیار ہوتا
تھا۔ اُن کو جب چاہیں بیچ سکتے تھے۔ کورنتھ اور ایتھنز میں اور تجارتی شہروں میں
اُن کی کثرت تھی اور وہ اکثر وحشی قوموں میں سے ہوتے تھے۔ کچھ اُن سے خدمتگاری کا
کام لیا جاتا تھا۔ زیادہ تر نان پزی۔ درزی کے یا اور ارذل پیشوں کے کام اُن سے
لئے جاتے تھے۔ کانیں کھودنے و صنعت کے کارخانوں میں مزدوری کے لئے بھیجے جاتے
تھے۔ اور آقا جو روپیہ اُن کے خریدنے میں لگاتا اوسکا سود و نفع اُن کی محنت مزدوری سے
وصول کرتا تھا۔ یہ غلام اکثر زر خرید ہوتے تھے کچھ اُن میں غلاموں کی اولاد بھی ہوتی تھی
جو آقاؤں کے گھر میں پیدا ہوتی تھی۔ غلاموں کو ازدواج کی سخت ممانعت تھی کچھ اسکا سبب یہ تھا کہ
غلاموں کی تعداد لونڈیوں کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی۔ یونانیوں کے غلاموں کی تجارت بابی

ایشیا مائنر کی اپنی آبادیوں کے ذریعہ سے وسط ایشیا میں ہوتی تھی۔ سوا اس کے
غلام اُن کو یوں بھی ہاتھ لگ جاتے تھے کہ اہل تھریس اپنی اولاد کو بیچ ڈالتے تھے
رومیوں کے ہاں بھی غلامی تھی مگر اُسکی صورت یونانیوں سے جدا تھی۔ رومی مقنن
سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے اور غلامی خدا کے قانون
کے خلاف ہے مگر قومی قانون کے موافق لڑائی کے اُس قیدی کا جو قتل نہ کیا جاتا
اور اُس شخص کا جو اپنے تئیں بیچ ڈالتا غلام بنانا جائز تھا۔

غلامی میں سخت ظلم و ستم ہے

اس زمانہ میں بعض آدمی یہ کہینگے کہ غلامی میں ظلم و ستم ہونا ایسی بدیہی بات ہے کہ جسکے
ثبوت کی کچھ ضرورت نہیں۔ مگر آدمیوں کا دل غلامی کی یکطرفہ دلیلوں کے سُنتے سُنتے
ایسا پتھر ہوگیا ہے کہ اگر ہم دوسری طرف کی سچی دلائل بیان بھی کریں گے تو مشکل
اثر ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی برائی وسعت کے ساتھ زمانہ دراز تک پھیلی رہتی ہے
تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اُس کے سب پہلو جو باہر کھلے ہوئے تھے دیکھ لئے ہیں کوئی بات
اُس کے اندر ایسی نہیں ہے کہ جس پر غور کریں وہ برائی انسانوں کے دلوں پر ایسی منقش ہوتی
ہے کہ اُس کے برخلاف مضمون کو دل میں وہ آنے ہی نہیں دیتی۔ اسلئے ضرور ہے کہ ہم اُس
جور و ستم کو بدلائل مفصل بیان کریں تاکہ وہ دلوں پر سے زنگ ضلالت کو صیقل کرے۔
ہم بالفعل یہ نہیں بیان کرتے کہ یہودیوں نے غلاموں کے ساتھ کیا مدارات کا طریقہ برتا
اگر یہ ضرور کہینگے کہ عیسائیوں نے جو غلامی کو جائز رکھا اُس کی دلیل وہی تھی جو یہودی اپنی
کتب مقدسہ سے بیان کرتے تھے۔

کل یونانی اہل سپارٹا کی نسبت اپنے غلاموں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے مگر دو
باتوں میں اُن کے ہاں بڑا جبر قہر تھا۔ اول یہ کہ اُن کے ہاں غلاموں کی تعداد بہ نسبت
لونڈیوں کے بہت زیادہ تھی اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ اگر لونڈی غلاموں کے ازدواج سے

اولاد پیدا ہوتی اور وہ غلام بڑھے جاتے تو اُس کی پرورش کا خرچ بہ نسبت پلے پلائے
غلاموں کے خریدنے کے بہت زیادہ ہوتا۔ اسطرح غلاموں کو ازدواج سے محروم کرنا بڑا ظلم
تھا۔ دوم غلاموں سے شہادت بڑی اذیتیں اور تکلیفیں دے دے کر لیجاتی تھیں کاموں
میں جو غلام کام کرتے تھے اُن کے پاؤں میں زنجیریں پڑی رہتی تھیں اسلئے اکثر ایس
سے مرجاتے تھے۔

رومیوں کے ظلم کی تفصیل بلیر صاحب بیان کرتے ہیں کہ قانون کے موافق آقا کو
غلاموں پر اختیار بے انتہا تھا اور وہ اوس کو کام میں لاتے تھے۔ ادنی ادنی ناراضی پر
غلام کو گھونسنا او تھپڑ مار دینا کوئی بات نہ تھی۔ گھر کے کاروبار میں ادنی ادنی قصوروں پر
لکڑی اور کوڑے لگائے جاتے تھے۔ جو اوقات کہ غلاموں کے واسطے خاموش رہنے
کے مقرر تھے اگر اُن میں کوئی بولتا یا کھانستا یا چھینک لیتا تو ظالم آقا بڑے کوڑے مارتا
بیگم صاحب بنا بنا و سنگار کرتیں اور لونڈی اون کی چوٹی میں بالوں کو بے ترتیب
رکھتی تو خوب پٹتی۔ بیگم صاحب کا آئینہ دکھانا لونڈی پر قہر برپا کرتا تھا۔ غلاموں کے ڈرانے
اور چالاکی سے کام کرانے کے واسطے کوڑے اور تسمے لٹکے رہتے تھے اونکے قصور
پر تین سو کوڑوں کا لگ جانا تو کوئی بات نہیں تھی۔ بیڑیاں اور زنجیریں اکثر سزا اور قید
کرنے کے لئے کام میں آتی تھیں۔ امرا کی ڈیوڑھیوں پر دربان پابجولان اسلئے رہتے
تھے کہ وہ موجود رہیں کہیں چلے نہ جائیں کچھ اس سے غرض نمود و شان نہیں ہوتی
تھی۔ اکثر غلام کھیت کے کاموں میں پابزنجیر رہتے تھے۔ بڈھے اور ناکارہ غلام جزیرہ
ٹائی بر میں چھوڑ دئے جاتے تھے جہاں وہ بھوکے مرجاتے تھے۔

رومیوں کے ہاں جو وقتاً فوقتاً غلامی کے باب میں قانون پاس ہوئے اُن کے
پڑھنے سے بے رحمیوں کا مفصل حال معلوم ہوتا ہے۔ پہلے آقا کو اپنے غلام کی موت حیات
اور سزا دینے کا اختیار نامحدود تھا اس کو ہیڈرین اور انٹی اونس نے منسوخ کیا۔

کونسٹن ٹین نے یہ قانون مقرر کیا کہ جو شخص غلام کے قتل عمد کا مرتکب ہوگا وہ اس جرم کا
مرتکب سمجھا جائیگا کہ اُس نے کسی آزاد آدمی کو مارا ہے۔ مگر یہ قانون خود اُسنے اپنے ایک اور قانون سے
منسوخ کر دیا۔ گال کے اضلاع میں آقا جانتے تھے کہ ہم کو اپنے غلام کے مارنے کا اختیار ہے
بعض کونسل کلیسا نے غلاموں کے قتل کے انسداد کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو آقا اپنے
غلام کو قتل کرے گا وہ ایک مدت کے واسطے کلیسا سے خارج کیا جائیگا۔ کلاڈیس نے یہ قانون
مقرر کیا کہ اگر کوئی آقا اپنے بیمار یا ضعیف غلام کو راہ میں ڈال دیگا تو پھر اُس کا کوئی حق
اس غلام پر درصورت صحت یابی نہیں رہے گا اور یہی قانون غلام بچوں کے باب میں تھا
پھر یہ قانون جاری ہوا کہ آقا اپنے غلاموں کو حیوانات سے نہ لڑائیں ہیڈرین نے قانون
جاری کیا کہ کوئی شخص اپنے غلام کو اُن لوگوں کے ہاتھ نہ بیچنے پائے جو غلاموں کو اپنی شمشیر
تلواروں سے لڑاتے تھے۔ مگر ہاں جب جج سزا کے لئے یہ حکم دے۔ کلاڈیس کے قانون
کے موافق غلام کا قتل کر ڈالنا مثل قتل کے سمجھا جاتا تھا۔ اور غلاموں کے فروخت میں اس
امر کی ممانعت تھی کہ وہ اپنے ماباپ بہن بھائی اولاد سے جُدا نہ کئے جائیں غلاموں کو شادی
کرنے کا اختیار نہ تھا ان کی اولاد اور اُن کے درمیان کوئی رشتہ ایسا نہیں سمجھا جاتا
کہ حقوق قانونی اُسکو حاصل ہوں لونڈیوں کی اولاد با کی جگہہ سمجھی جاتی تھی۔ بھاگے ہوئے
غلام کو پناہ دینا جرم سمجھا جاتا تھا۔

یہ حال تو رومیوں کا اس حال میں تھا کہ وہ بت پرست تھے۔ اب عیسائی مذہب پھیلا
اُس نے گو درستی میں کچھ سعی کی لیکن وہ اس کا استیصال نہ کرسکا۔ گو اس مذہب
میں سراسر رحم و رافت و شفقت ہی۔ مگر غلاموں پر اُسنے بھی بے رحمی کو جائز رکھا۔

غلامی کے لئے ایک نیا زمانہ آیا جسمیں عیسائیوں کے ہاں اُسنے ایک نیا رنگ اپنا دکھایا
یعنی امریکہ کو کولمبس نے دریافت کیا جسے غلاموں پر ظلم و ستم کا وہی دروازہ عیسائیوں
کے ہاتھ سے کھلا جو پہلے مغرب و مشرق میں اُن پر کھل رہا تھا۔ غلامی کا بازار ایسا گرم ہوا

کہ بعض [illegible] غلاموں کو تعداد میں آزاد آدمیوں سے بڑھا دیا۔ غلامی سے وبانے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اور اقالیم میں کیا تھا۔ لاس کیس اور رو برٹسن نے دیکھا کہ امریکہ کے اصلی باشندے کمزور اور منحیف ہیں اور اُن سے کام محنت کے نہیں ہوتے اسلئے اُن کو ظلم سے بچایا۔ مگر غلامی کی مصائب نے اُن کی جگہہ لی۔ مصلحت یہاں یہی ٹھیری کہ غلاموں کی تعلیم نہ کی جائے نہ اُن کے درمیان حقوق رشتہ مندی سمجھے جائیں آزاد ملکوں میں نہ جیلخانوں میں وہ سخت محنت مشقت ہے نہ ایسے مجرموں کے لئے وہ سزائیں ہیں جو غلاموں کے لئے یہاں تھیں باپ ایک شخص کا غلام ہے اس کی بیوی بچے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کئے جاتے تھے۔ قانون اِن آزاد آدمیوں کو سزا دیتا ہے۔ جو جرم کرتے ہیں نہ ان کو جو گھر کے کاروبار میں خطا کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے غلامی ان خطاؤں پر سخت سزا پاتی تھی جو روزمرہ کے خانگی کاموں میں ہوتی ہیں۔

جب کسی غلام کے کام کا حصہ گھر بار کا کام کاج ہو تو خواہ وہ کیسی ہوشیاری سے انجام دے پھر بھی سزا کے خوف سے نہیں بچ سکتا اسلئے کہ اُسکا اچھا برا ہونا مالک خانہ کے مزاج پر موقوف ہے خصوصاً جب مالکوں کو اس باب میں زیادہ اختیار حاصل ہو۔ آزاد آدمی کو تو جب خوف کوڑے کھانے کا ہوتا ہے کہ وہ جرم کرے مگر غلام کے سر پر بغیر کسی جرم کے سر پر ہمیشہ تازیانے لٹکتے ہی رہتے ہیں ادنیٰ ادنیٰ قصوروں پر سو سو کوڑے اُن پر لگ جاتے تھے۔ غرض غلاموں کی سزا اور جرم میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ جہاں غلامی ہوتی ہے وہاں یہ امر لازمی ہے کہ جرم خفیف اور سزا شدید۔ غلاموں کو اگر آقا مہربان مل بھی جاتے ہیں تو ان کو یہ خوف رہتا تھا کہ کہیں ہم ظالم آقاؤں کے ہاتھ نہ بک جائیں جب کوئی قانونی استحقاق اُن کا نہیں ہوتا تو وہ مویشی اور مال اسباب کی گٹھریوں کی طرح ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ تلے جاتے ہیں۔ امریکہ میں مرد اور عورت جو لونڈی غلام ہوں کے آقا تھے اُن کے ظلم و ستم کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ کوڑوں کی مار سے اُن کی

اکھاڑ اُدھیڑ ڈالنی تو کوئی بات نہیں تھی - پھر یہ ایک اور ستم تھا کہ غلاموں کی تعداد لونڈیوں
کی تعداد سے ایک تہائی کے قریب تھی - خاص ریاستوں میں چھ یا سات سو غلاموں پر
ایک عورت نہیں تھی - پر ان غلاموں کو جو تھوڑی دیر فرصت کام سے ملتی تو بھی انہیں
وہ قفلوں میں بند کر دیئے جاتے - کیوبا میں ان غلاموں کی موت دس فیصدی تھی جو
اکھ بوتے تھے - گویا دس سال میں سب غلام مرجاتے تھے - غلاموں کے مرنے میں
آقاؤں کا نقصان اسلئے نہیں ہوتا تھا کہ وہ اُنسے کام چوبیس گھنٹوں میں بیس گھنٹے لیتے تھے
کہ اُس کے نفع سے اُن کے مرنے کا نقصان پورا ہوجاتا تھا - دن رات میں ساڑھے
چار گھنٹے کی اجازت سونے کی دیتے تھے - غلاموں کی تعلیم کا حال یہ تھا کہ کیوبا کے پریسیڈنٹ نے
حکم دے رکھا تھا کہ جو غلام کھیت کا کام کرتے ہیں وہ بھی گرجا میں سوا اصطباغ پانے کے نہ
جائیں جب فصل کٹ چکتی تو خاص آدمیوں کو گرجا میں جانے کی اجازت تھی - مگر کام کے
زمانہ میں ہرگز نہیں +

ہاں یہ سچ ہے کہ بعض آقا رحم دل ایسے ہوتے ہیں کہ وہ غلاموں کو اپنا عزیز بھائی بند
سمجھتے ہیں اور لطف و کرم سے پیش آتے ہیں اور کسی طرح کی سختی نہیں کرتے ہیں مگر اُس سے
اُس قاعدہ کلیہ میں فرق نہیں آتا کہ غلاموں پر بحیثیت مجموعی سختی و درشتی جور و
ظلم بہت ہوتا تھا -

خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ میں غلاموں کے کھانے پینے اور بود و باش کی خبرگیری ایسی کی
جاتی تھی جیسی اور اہلی جانوروں و مویشی کی - غلاموں کے مالکوں کا دل سخت بہ نسبت
اور آدمیوں کے ہوتا تھا -

غلاموں کی تجارت عیسائیوں نے اس خیال سے شروع کی کہ ہم اُن کو عیسائی بنائینگے
اور اُن کی قیمت کے روپیہ کے عوض میں اُن سے کام لینگے - مگر رفتہ رفتہ غلام تو ایک گٹھڑی
مال کی ہو گئے اور ایک جاندار سے بے جان چیز بن گئے جو بکتے پھرتے تھے -

غرض جو لوگ غلامی جائز اور اچھا جانتے ہیں وہ بھی اگر تعصب کو کارفرما نہ ہونے دیں تو غلاموں
پر ظلم و ستم کے برپا ہونے میں ذرا شبہ نہیں کرسکتے ۔ غلامی کی برابر کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے
کہ جس میں جور و جفا اس سے زیادہ برپا ہوتے ہوں ۔ لڑائی سب سے زیادہ خوفناک ظلم ہے ۔
لڑائی اور اس کے بعد قحط اور وبا کا حال سب پڑھ کر مقابلہ کریں کہ غلامی میں زیادہ نفع نقصان ہیں
یا لڑائی میں اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا کہ لڑائی سے انسان کی بھلائی بھی ہوتی ہے
شائستگی اور تہذیب لڑائی ہی نے پھیلائی ہے ۔ مغرب میں مشرقی تہذیب و علوم و فنون کو
جہاد عشرہ ہی لائے ہیں ۔ فتحمندی نے قوموں کو بڑھایا اور عالی رتبہ پر پہنچایا ہے ۔ اور مفتوح
قوموں کو بھی شائستہ بنایا ہے ۔ مذہب کے لئے لڑائیوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں بہادری
اور شجاعت کو اسی سے رونق ہوئی ہے ۔ غرض لڑائی میں بالکل نقصان ہی نہیں بلکہ فائدے
بھی ہوتے ہیں اب غلامی میں دیکھو کہ سوا برائیوں کے بھلائی کونسی ہے ۔ امریکہ والوں نے
غلامی سے کیا فائدہ حاصل ہوا سوا اوسکے کہ روئی ۔ شکر ۔ چانول وغیرہ اُن سے بوا کے
پیدا کرالئے سو یہ آزاد کام مزدوروں کے ہاتھ سے اور زیادہ اچھی طرح وہ کرا سکتے تھے
غرض کسی مذہب نے غلاموں کے استعمال کرنے کے احکام نہیں جاری کئے ۔

غلامی کی حاجت نہیں وہ ایک بے ضرورت شی ہی

جو لوگ کہ ہمارے اوپر کے بیان کو تسلیم کرینگے کہ غلامی میں سراسر ظلم و ستم ہے اور انسان کو
بے رحم اور ظالم وہ بناتی ہے اُن کو یہ امر ماننا دشوار نہیں ہے کہ غلامی ایک بے ضرورت شی ہے
اور کوئی کام دنیا کا ایسا نہیں کہ وہ بغیر اسکے اٹکا پڑا رہے ۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ غلامی
کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ کیوں قائم ہوتی ۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اوس کی کس کو ضرورت ہے
آقاؤں کو ۔ اگر عالی درجہ کی قومیں خود بعض کام نہیں کرسکتے ۔ اسلئے وہ غلام رکھتے ہیں تو
اُنکو غلام رکھنے کی ضرورت کیا ہے وہ ادنی قوموں سے جو آزاد ہیں مزدوری دیکر اور خوش اخلاقی
سے پیش آکر روپیہ کا لالچ دیکر اُن کاموں کو کرا سکتے ہیں ۔ اور اس وجہ سے وہ ادنی لے

قوموں کو بھی ترقی پر پہنچایا۔ تاہم تہذیب اور شائستگی کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ حکومت وہی ہے
یہ آسانی ہوا ب آقاؤں کو تمام غلاموں کے کل کاموں کا ذمہ اوپر لینا۔
اور ان پر سخت جابرانہ حکومت رکھنی دشوار ہے۔ کیا ضرور ہے کہ جانوروں کی طرح آدمیوں
کے سارے کاموں کو اپنے ذمے لیں اگر ہم جانوروں کو موٹا تازہ کرنا چاہیں تو جو اُن میں
فطرتی خاصیتیں ہیں اُن میں آزادی دیں بس اگر کوئی اعلیٰ قوم ادنیٰ قوم کو قوی کرنا چاہتی ہے
تو اُن کو آزادی جو انسان کی ایک فطرتی خاصیت ہے عطا کرے غرض غلام کوئی کام نہیں
کرتے جو اُن سے اچھی طرح دوسرے طور پر نہ حاصل ہو سکے۔ اسلئے نہ آقاؤں کو غلاموں
کی ضرورت ہے نہ غلاموں کو آقاؤں کی حاجت ہے۔

غلامی کے باب میں مذہبی احکام

جو لوگ غلامی کو اچھا جانتے ہیں اور اُس کے باقی رکھنے کے طرفدار ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ
اگر غلامی کوئی بداخلاقی ہوتی تو مذہب میں سخت ممانعت ہوتی۔ اب بجائے ممانعت کے
اُس کی اجازت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بدکاری نہیں۔ اگر غلامی کا حامی مذہب ہو تو
پھر اُسکے طرفداروں کو وہ قلعہ استوار ہاتھ لگتا ہے کہ جس میں سے نکالنا کسی ہتیار سے
سخت دشوار کیا بلکہ محال ہے۔ پھر اُس کے مخالف ایسی مشکلات کی غلامی میں پھنستے ہیں
کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی۔ اسلئے ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ اُسکے باب میں الہام ربانی کیا
ارشاد فرماتا ہے۔ انبیا کے افعال و اعمال کیا ہدایت کرتے ہیں قدیم اور حال کے زمانہ کے
عقلا و حکما کیا حکم دیتے ہیں کیونکہ یہی تینوں باتیں خاص کر پہلے بات انسانوں کے دلوں کی
بڑی فرماں روا اور کارفرما ہیں +
یہ باتیں تم کو ضرور یاد رکھنی چاہئیں اول یہ کہ ہمیشہ سے ایک الہام دوسرے الہام کو بدلتا آیا ہے
اور انسان کی عقل و دانش کے موافق احکام دیتا رہا ہے۔ دوم یہ کہ کچھ ضرور نہیں کہ
صاحب الہام کی راے و خیالات تمام معاملات دنیا میں یقینی صحیح اور [illegible] درست سمجھی جائیں

اور اس کے مقابل ایک امر جو سائنس (علم) سے انسان کی عقل روز افزون نے تحقیق کر کے ثابت
کیا ہے وہ باطل جانا جائے۔ مثلاً تمام الہامی کتابوں میں زمین کو ساکن مانا ہے اور اسکے
گرد آفتاب کا پھرنا لکھا ہے۔ مگر سائنس سے یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ زمین آفتاب
کے گرد دورہ کرتی ہے۔ یہ امر ایسا یقینی ہے کہ اس میں شک و شبہ کو ایسی جگہ نہیں جیسے کہ
خدا کے وجود میں جو لوگ الہامی آیتوں کو غلامی کے باب میں پیش کرتے ہیں اور اس کے
معانی اپنی طرف سے تاویلات سے بناتے ہیں ان سب کو ملا کر دیکھئے تو سارا الہامی
کلام غلامی کے خلاف یہ شہادت دیتا ہے کہ انسان آزاد ہے وہ کسی کا غلام نہیں ہوتا
بعض آدمی یہ کہینگے کہ اوپر کی مثال اور نیز اور مثالیں جو صاف صاف کلام الہی کے
برخلاف عیاں ثابت ہوئی ہیں وہ مادی اشیا کی ہیں اخلاقی امور نہیں ہیں جنکے
اندر ہدایت الہام کا خاص موضوع ہے۔ بیشک ہم بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ جو اعلیٰ
درجہ کے اصول اخلاق ہیں ان کا بیان الہام میں ایسا صحیح اور درست اور صاف ہے
کہ اس سے آگے بڑھنے کے اندر کوشش کرنی دیوانگی ہے اور اسکے برخلاف کہنا کفر ہے
مگر غلامی اس اصول سے متعلق نہیں ہے۔ ساری الہامی کتابوں میں جو اس کے باب میں
قوانین بیان ہوئے ہیں ان سب کا رجحان غلامی کے خلاف ہے سوا اسکے غلامی ایسی ایک
معجون مرکب ہے کہ وہ ہر اقلیم میں ہر ملک میں ہر قوم میں ہر زمانہ میں مختلف حالتوں
میں پیدا ہوئی ہے۔ اب یہ کوئی کہے کہ اگر غلامی انسان کے اخلاق کے حق میں سم قاتل
تھی تو الہام ربانی نے کیوں صاف صاف حکم اسکے مخالفت کے نہیں دئے۔ ہم بھی کہتے
ہیں کہ اگر اس زمانہ میں یہ غلامی انسان کے اخلاق کے حق میں سم قاتل ہوتی تو ضرور
الہام ربانی سے اسکی مخالفت کے احکام صادر ہوتے ہیں۔ بائبل میں جو احکام ہیں
ان کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیوں کے غلام دو طرح کے تھے ایک وہ جو خود غلامی اختیار کر لیتے
تھے۔ دوم جو احکام الہی کے موافق شرعاً غلام بنائے جاتے ہیں غیر قوم کے آدمی اور انکی اولاد

خریدنے سے اُن کے قبضے میں آتے تھے خواہ وہ کسی طرح حاصل ہوں۔ یہودیوں کی
شرع کے موافق اُن کو بہت سے استحقاق حاصل ہوتے تھے۔ وہ خدا کی عبادت میں سب کے
ساتھ شریک ہوتے تھے۔ وہ تمام قومی اور خاندانوں کے تہواروں اور دعوتوں
میں شریک ہوتے تھے۔ اخلاق اور مذہب میں اون کی تعلیم ہوتی تھی جو اُن کی
مدت غلامی ہوتی اُس سے وہ آدھی مدت کے بعد آزاد ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے
خادموں کی شرعاً و قانوناً وہی حفاظت ہوتی تھی جو اُن کے آقاؤں کی۔ دینی اور
دنیاوی حقوق سب کے برابر ہوتے تھے اُن کے غلاموں کو اپنے آقاؤں کے بدلنے کا
اختیار رہتا۔ اور اپنی مرضی کے موافق اُن کو اپنے تئیں محفوظ کرنے کا اختیار رہتا۔ اگر اُن کے
آقاؤں پر سختی و تشدد کر کے ضرر پہنچاتے تو وہ اپنے عہدے سے بری الذمہ ہوجاتے
عبرانیوں کے یہاں مدت غلامی چھ سال تھی اوس کے بعد وہ غلامی میں نہیں رکھے
جاسکتے تھے۔ بشرطیکہ وہ کوئی دوسرا عہد و اقرار غلامی نہ کرتے۔ اور جو غیر قوموں
کے غلام ہوتے تھے اور جن پر یہودی بہت اعتنا رکھتے تھے وہ قطعی جوبلی کے روز
سب آزاد ہوجاتے تھے (جوبلی پچاسویں سال ہوتی تھی)
اب عیسائی جو استدلال غلامی کے باقی رکھنے کا عہد عتیق سے کرتے ہیں وہ اپنے
غلاموں کی حالت کو ملا کر دیکھیں کہ کوئی بات بھی اُن کی نہیں ملتی۔ اب انجیل کو دیکھیے
کہ اس میں صاف لکھا ہے کہ تو وہ ہمسایہ کے ساتھ سلوک کر جو تو ہمسایہ سے چاہتا ہے کہ وہ
تیرے ساتھ کرے۔ اب کوئی عیسائیوں سے جو غلاموں کے مالک ہیں پوچھے کہ
غلام جو تمھارے سایہ میں ہمیشہ رہتے ہیں تمہارے ہمسایہ ہونے سے خارج ہیں جو تم
اُن کے ساتھ خلاف حکم انجیل سلوک کرتے ہو۔ غرض نہ عہد عتیق نہ عہد جدید عیسائیوں
کو غلاموں کو اس طرح سے رکھنے کی اجازت دیتا جس طرح وہ رکھتے ہیں۔ انبیا کے اقوال کی
اور کلام ربانی کی شہادت اُس مروجہ غلامی کی حمایت میں پیش نہیں ہوسکتی۔ اب

دوسری بات یہ ہے متقدمین حکما و عقلا نے اُس کو روا رکھا ہے اسکا سبب یہ ہے
کہ اُس زمانہ کی عادات اور تعصبات نے ان کی آنکھوں کے آگے ایسی اوجھل کر رکھی تھی
کہ آنکھوں کی تیز نگاہی کو مانع تھی۔ تنکے او جھل پہاڑ اوجھل۔ مروج غلامی کو تو اُنہوں
نے بالاتفاق روا نہیں رکھا۔ ہاں یونانیوں کے ہاں وہ غلامی جائز تھی جو بالفعل ہی
وہ اُس کو قانون قدرت کے موافق بھی اور اپنے قانون کے موافق بھی جانتے تھے اور
انسانوں کی نسلوں میں تفریق آزادی اور غلامی کی کرتے تھے۔ رومیوں کے ہاں
غلامی قانون قدرت کے خلاف سمجھے جاتے تھے مگر ملکی قوانین کے موافق جائز تھی
بڑے بڑے وہی عاقل بادشاہوں نے یہ چاہا کہ غلامی کی سختی کو دور کریں جس کا
بیان ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بہت سے رومی عقلا نے غلاموں پر سختی کا بیان کیا ہے اور اُسکو
ناروا اور ناجائز جانا ہے سینیکا غلامی کا بڑا مخالف تھا۔ آگسٹس نے تو قانون غلاموں
پر حد اختیارات کا بنا دیا تھا۔ غرض رومیوں اور یونانیوں میں جس طرح کی غلامی تھی وہ
اُن کے حسن اخلاق کو داغ لگاتی ہے۔ اس زمانہ کا عاقل کوئی اس بنا پر کہ پہلے عاقلوں
نے غلامی کو جائز سمجھا ہے غلامی کو روا نہیں رکھے گا۔ اس زمانہ کے عقلا نے خوب تحقیق کر لیا
کہ غلامی ایک پرلے درجہ کی بد اخلاقی انسان کے حق میں مضر ہے۔ اسلئے اُس کے استیصال
میں جو کوششیں اُنہوں نے کیں اُن کا آئندہ بیان ہو گا۔ جو اعلیٰ درجہ کے [illegible] والاخیر
اس زمانہ میں ہیں وہ غلامی کے طرفدار نہیں۔ غرض ہم نے تینوں باتوں کو جو اول [illegible] ثابت
کر دیا کہ غلامی کی حمایت اُن سے نہیں ہو سکتی +

غلامی جیسے غلاموں کے حق میں مضر ہے ایسی آقاؤں کے حق میں

دولت سلطنت کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ نہ وہ سونے میں نہ لوہے میں نہ کثرت آبادی
میں نہ زمین کی شادابی میں نہ وسعت مملکت میں نہ عاقلانہ قوانین میں ہے بلکہ وہ
غریب مزدوروں اور عوام الناس کثیر کی خوشحالی اور چین اور آرام میں ہے۔ دولت سلطنت

لگائے رکھتا ہے بجز اطلاع تک اس طرف بھی ہیں کہ جن آدمیوں کی مخالفت میں تربیت
نہیں کہی جاتیں وہ دانشمند اور عاقل نہیں ہوتے۔ کوئی بچے کے حق میں اس سے زیادہ برائی
نہیں ہے کہ وہ ان محکوم لوگوں میں تربیت و تعلیم پائے جنہوں نے حکومت عظیم کرلی ہے
جب لڑکے کو خود مختاری کی عادت بچپنے سے پڑے گی تو وہ خود مختار سرکش ہوگا۔ اور وہ
کے ساتھ ہمدردی نہیں کریگا جو لوگ اپنے تابعین کے اندر پرورش پاتے ہیں اُن میں
قابلیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ کسی مکر و فریب کی تہ پر پہنچے۔ غرض غلامی یہ ایسا دو دھارا
ہتھیار ہے کہ جو چلائے اور جس پر چلایا جائے دونو کو گزند پہنچائے۔ غلاموں کا ہونا دونو آقاؤں
اور غلاموں کو مضرت پہنچاتا ہے۔

جو باتیں اوپر لکھی ہیں وہ کل نسل انسانی سے متعلق ہیں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں کوئی نسل انسی خالی نہیں

جو باتیں اوپر لکھی ہیں وہ کل نسل انسانی سے متعلق ہیں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں کوئی
نسل اس سے خالی نہیں۔ بہت سی انسانی نسلوں کا امتحان غلامی اور آقائی دونو میں ہوا
اُنہوں نے ان دونو حالتوں میں اپنی نالائقی ظاہر کی۔ رومیوں کے ہاں سب طرح کی
قوموں کے غلام تھے مگر وہ کسی قوم کے غلاموں کو اچھا نہ کہتے تھے۔ انگلو سیکسن جو
ایک بڑی چست و چالاک آزاد ہوشیار دور اندیش قوم ہے وہ غلاموں کے
آقا ہونے میں کوئی اپنی خوبی نہیں چمکاتے۔ اہل یورپ جو مسلمانوں کے ملکوں میں
غلامی میں رہتے ہیں وہ بڑے پاجی کمینے شریر بدذات ہوتے ہیں۔
حبشیوں کی قوم کو بہت سے آدمی اور قوموں اور نسلوں سے جدا خیال کرتے ہیں اور کہتے
ہیں کہ وہ غلامی ہی کے لئے موزوں اور موضوع ہیں۔ یہ بات دو حال سے خالی نہیں سچ
ہے یا جھوٹ اگر سچ ہی تو فطرت انسانی میں وہ واقعات عظیم میں سے ہے اور اگر جھوٹ
ہے تو وہ شریر موذی آدمیوں کا ایسا تعصب ہے جو کبھی سوتا نہیں۔ اس لئے جو لوگ

جاتی رہے کی غرض جو حبشیوں کی نالایقی بیان کی جاتی ہے - وہ ان کی نسل پر
نہیں ہے - بلکہ ان کی حالت نے ان میں پیدا کی ہے - اگر حبشیوں کو ان کے اپنے ملک میں آزادی
کی حالت میں دیکھو تو ان میں سب کاموں میں وہ لیاقتیں معلوم ہوتی ہیں جو شائستہ
قوموں میں ہوتی ہیں ان کے مکان انکی تعلیم - ان کی سپاہ ان کے لڑنے کے طریقے
ان کی ہنگامہ آرائیاں سب مہذب قوموں سے ملتی جلتی ہیں اگر حبشی قومیں اہل یورپ
کی قوموں کی سی شائستہ و مہذب نہیں ہیں اور مثل ان کے خود ایجاد و اختراع کی
قابلیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ مقلد ہیں تو شائستگی اور تہذیب کا یہ اقتضا ہے کہ ان
تقلیدی بھائیوں کی تائید کرنی چاہیے جس سے نیک اخلاق کے اظہار کا موقع ملے
گو حبشی کالے رنگ کے ہوں مگر اہل یورپ کے گورے رنگوں کی برابر شائستہ و مہذب
ہو سکتے ہیں - بہت سی مثالیں ایسی موجود ہیں جو اس امر کے بیان کی تصدیق کرتے
ہیں - بعض معترض یہ کہتے ہیں کہ گورے اور کالے رنگ کی قوموں کی فطرت میں ایک
فرق ہے وہ ان خاص مثالوں اور مستثنیٰ صورتوں سے نہیں مٹتا - مگر تمام سائنٹفک تحقیقات
اسکے خلاف شہادت دیتی ہے محققین حق شناس کا پلہ اسی طرف بھاری ہے کہ انسان
کی فطرت سب قوموں میں ایک ہی سی ہے - قوائے ظاہری اور باطنی خدا تعالیٰ نے سب کو
ایک قسم کی دیئے ہیں اب جو ان میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے وہ وطن کی آب و ہوا -
غذا طرز بود و باش و پرورش اور خارجی حالتوں سے ہوتا ہے - غرض یہ خیال کہ حبشی
یا کسی قوم کی فطرت میں غلامی داخل ہوتی ہے غلط ہے - یہ ظاہری فرق کھال ہی کا کالا
اور سفید ہونا دل و روح میں فرق نہیں پیدا کر سکتا وہ سب انسانوں میں یکساں ہے -
غرض حبشیوں میں مثل اور قوموں کے شخصی اور قومی قابلیتیں ہیں اور وہ شائستہ
اور مہذب اسی طرح ہو سکتی ہیں جیسی اور قومیں ہوئی ہیں جیسا کہ جرمی ٹیلر صاحب [illegible]
آدمی کو جاتے ہوئے دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ میرا نفس جاتا ہے - اسی طرح جب ہم

تجارت کو موقوف کرنے میں ہوئی اور پھر غلاموں کے دور کرنے میں ۱۸۰۷ء میں غلاموں کی تجارت
کے موقوف ہونے کے واسطے مقرر ہوئی۔ اسمیں سب سے زیادہ سرگرم آوردہ ولیم ولبر فورس صاحب
جنکی نیک نامی ہمیشہ یادرہیگی۔ ان کی تائید وزیر اعظم پٹ صاحب نے بھی فرمائی۔ مگر ولیم ولبر فورس
صاحب نے جو مسودہ اس تجارت کے موقوفی کے باب میں بنایا وہ ۱۸۰۷ء میں پاس ہوگیا۔ مگر انگلستان کی
قسمت میں یہ نیکنامی لکھی ہوئی ہے۔ کہ وہ اس رحم دلی اور فیاضی اور انسانیت کا کام کرکے دنیا
میں ہمیشہ نیک نام رہے۔ اسکے کوشش برابر اس موذی تجارت کے موقوف کرنے میں قائم رہی بیچ
میں اسکے بہت سی صورتیں پیش آئیں ۱۸۱۰ء میں غلاموں کی تجارت عموماً اور قطعاً موقوف
ہوئی مگر بعض پاجی کمینہ طبیعت انگریزوں نے اس تجارت کو نہ چھوڑا اور پرتگیزوں کے جھنڈے
کی آڑ میں اس تجارت کو جاری رکھا۔ ۱۸۱۱ء میں یہ قانون جاری ہوا کہ غلاموں کی تجارت
سنگین جرم سمجھا جائے اور اوسکی سزا چودہ برس کی قید مع جلاء وطنی کے یا تین برس سے پانچ برس
تک قید مع مشقت شاقہ دیجائے اور ۱۸۲۴ء میں ایک اور قانون پاس ہوا کہ جسمیں غلاموں
کی تجارت بحری ڈکیتی قرار پائی جسکی سزا حبس دوام مع جلاء وطنی کے تھی۔ غرض جب
ایسی کوششوں سے غلامی کی تجارت انگریزی عملداری سے اٹھ گئی تو اس کے بعد
فیاض اور خیر خواہ خلائق انگریزوں کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جو بالفعل غلام ہیں وہ
بھی آزاد کرائے جائیں غرض اسمیں بھی سعی اور کوشش انکی کامیاب ہوئی اور بیس کروڑ روپیہ
مالکوں کو دیکر انکے غلاموں کو آزاد کرایا۔ پھر اہل انگلستان کی ترغیب سے ساری مہذب قوموں
نے بھی غلامی کو موقوف اور حال کے غلاموں کو آزاد کیا پولیٹکل اکونومی کے اصول
کے موافق جو اس آزادی سے قومی دولت کی ترقی ہوتی ہے وہ غلامی سے نہیں یہ عقل کا
کام تھا کہ جسنے مذہب سے زیادہ انسان کو ایسا مہذب و شائستہ بنایا کہ وہ غلاموں کے بنانے
اور رکھنے کو سخت بدافعالی جاننے لگا فقط تمت

۶۔ اگست ۱۸۹۱ء

پڑھنے سے پہلے اس صحت نامہ کے | صحت نامہ محاسن الاخلاق حصہ دوم | موافق کتاب صحیح کر لینی چاہیے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶	۹	آنکھو	آنکھوں	۲	۱	خااہل	نااہل
۳	۲	چاے زیادہ	سب سے زیادہ	۷	۱	کریعے آیتن	کرے داتی
۲۱	۱۳	دنل	دخل	۲۳	۳	اعتبر	اس اعتبار
۳۱	۲۱	ہے	تھی	۳۲	۱۳	بیان کئے	بیان کرکے
۳۴	۷	ملانے	ہلانے	۴۱	۱	کتاے	کتابے
۴۱	۹	قطع وفضل	قطع وفصل	۴۹	۱۸	پاجی	باجے
۵۳	۱	نازنین	نازنین کو	۵۶	۱۲	ہو جاے	ہو جاتا ہے
۷۹	۱۴	دنیا کی	دنیا	۸۶	۸	اُفنے	اپنے
۹۴	۸	بڑا	بُرا	۱۰۳	۱۴	خفیف	خفت